خطباتِ بہرائچ

(پانچویں دینی تعلیمی کانفرنس)

مرتب

جنید احمد نور

سلسلہ برقی اشاعت الاحسان اکیڈمی بہرائچ ۳

کتاب: خطبات بہرائچ (پانچویں دینی تعلیمی کانفرنس)

مرتب: جنید احمد نور

صفحات: 58

اشاعت: جنوری ۲۰۲۱ء

کمپوزنگ: جنید احمد نور

ناشر: الاحسان اکیڈمی بہرائچ

Khutbaat-e-Bahraich

(PanchviDeeniTaleemi Conference)

Edition: January 2021
ISBN No.: 978-93-5437-494-4
Pages: 58 Price: ₹ 120
Compiled: Juned Ahmad Noor
Composing: Juned Ahmad Noor
Publisher: Juned Ahmad Zargar
Printed by: Al-Ehsan Prints, Bahraich

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

خطبات بہرائچ مجموعۂ خطبات ’’پانچویں دینی تعلیمی کانفرنس بہرائچ‘‘ کے خطبہ استقبالیہ، خطبہ افتتاحیہ اور خطبہ صدارت پر مبنی ہے جس کو باترتیب جناب محمد نظام الدین خاں (صدر مجلس استقبالیہ)، جناب سید حامد (وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) اور عالم اسلام کے ممتاز خطیب اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (صدر دینی تعلیمی کونسل ،ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے شہر کے آزاد انٹر کالج کے سبز و شاداب میدان میں بتاریخ ۱۸،۱۷ اپریل ۱۹۸۲ء کو منعقد ہوا تھا۔ یہ وہ تاریخی کانفرنس تھی کہ جب شہر بہرائچ مسلمانان ہند کے دو عظیم تعلیمی اداروں کے سربراہان جو تمام عالم میں ہندوستان کی شناخت تھے کی ایک ساتھ میزبانی کا شرف حاصل کر رہا تھا۔

یہ تمام خطبات اب ایک تاریخی دستاویز کی شکل رکھتا ہے۔ خطبہ استقبالیہ بہرائچ کی تاریخ بیان کرتا ہے اور ماضی اور حال پر ایک ساتھ نگاہ ڈالتا ہے۔ خطبہ کی تمہید اپنے آپ میں پوری بات کو کہہ جاتی ہے۔ خطبہ کو شہر کے مشہور نثر نگار ماسٹر محمد نذیر خاں (گولڈ میڈلسٹ) نے لکھا اور جس کو ضلع کی ممتاز ملی اور قومی شخصیت محترم محمد نظام الدین خاں (وکیل) نے پڑھا تھا۔

ان خطبات کو آپ سب کے سامنے ایکجا پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں، ان خطبات کو میں گھر پر بچپن سے ہی دیکھتا آیا تھا۔ چار پانچ سال پہلے کتابوں کی الماری صاف

کرتے ہوئے یہ پھر سے میرے ہاتھ لگے اور میں نے انہیں الگ کر دیا اور خطبہ استقبالیہ اور افتتاحیہ کو اسکین کر کے محفوظ کر لیا تھا لیکن کافی تلاش کے باوجود خطبہ صدارت نہیں مل سکا ۔خطبہ صدارت کو میں نے انٹرنیٹ پر تلاش کیا اور اللہ کے کرم سے کامیابی حاصل ہوئی اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے نام سے بنی آفیشیل ویب سائٹ جہاں پر آپ کی تمام کتابیں اور خطبات پی ڈی ایف کی شکل میں دستیاب ہیں وہاں سے ڈاؤن لوڈ کر کے اپنے پاس محفوظ کیا اور تمام خطبات کو مشہور ویب سائٹ ریختہ پر بھی اپلوڈ کرا دیا جس سے محفوظ بھی ہو جائے اور تلاش کرنے والوں کو آسانی بھی ہو جائے اور وہاں پڑھ سکے۔

۲۰۲۰ء میں لاک ڈاؤن کے دوران الاحسان اکیڈمی بہرائچ کے زیر اہتمام قدیم کتابچوں کو آن لائن شائع کرنا طے ہوا۔اس سلسلے میں الاحسان اکیڈمی بہرائچ نے سب سے پہلے ''حالات شاہ نور محمد بہرائچیؒ''جو حکیم عبد القدیر خاں کی تصنیف اور مولانا محفوظ الرحمن نامیؒ کے والد کی خدمات پر مشتمل تھی کو برقی طور پر شائع کیا گیا۔اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا محفوظ الرحمن نامیؒ کے ایک اہم مضمون ''مسلمانان ہند کا تعلیمی مسٔلہ''کو برقی طور پر شائع کیا گیا تھا۔اب تقریباً ۲ ماہ کے عرصہ بعد یہ گلدستہ بنام ''خطبات بہرائچ''ناظرین کرام کی خدمت میں برقی طور پر شائع کر کے پیش کیا جارہا ہے۔

جنید احمد نور

بہرائچ

۱۲/دسمبر ۲۰۲۰ء

حرفِ چند

مجھے خوشی ہے کہ اس مجموعۂ خطبات پر، جو دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کی پانچویں صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس منعقدہ بہرائچ میں پیش کیے گئے خطبۂ استقبالیہ، خطبۂ افتتاحیہ اور خطبۂ صدارت پر مشتمل ہے، چند تعارفی سطریں لکھنے کی توفیق ہو رہی ہے _ یہ کانفرنس ۱۸،۱۷ /اپریل ۱۹۸۲ء کو آزاد انٹر کالج بہرائچ کے وسیع میدان میں منعقد ہوئی تھی۔ خطبۂ استقبالیہ بہرائچ کے ممتاز ایڈووکیٹ اور ملی رہنما جناب محمد نظام الدین خاں نے بحیثیت صدرِ مجلسِ استقبالیہ پیش کیا تھا_ خطبۂ افتتاحیہ کی پیش کش جناب سید حامد، وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے کی تھی، جو کانفرنس کے مہمانِ خصوصی تھے۔ آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صدر دینی تعلیمی کونسل و آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے خطبۂ صدارت پیش کیا تھا۔

ہندوستانی مسلمانوں پر جن تعلیمی تحریکوں نے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور ان کے دین و ایمان کی حفاظت کی قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے ان میں سے ایک اہم تحریک 'دینی تعلیمی کونسل' ہے، جس کا دائرۂ عمل ملک کی ریاست اتر پردیش تھی۔ اس کا قیام ۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م۱۹۹۹ء) اس کے صدر اور جناب قاضی عدیل عباسی (م۱۹۸۰ء) اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے تھے۔ ریاست کے اضلاع میں اس کی شاخیں 'انجمن تعلیماتِ دین' کے نام سے قائم کی جاتی تھی۔ اس نے پوری ریاست میں مکاتب و مدارس کا جال بچھا دیا تھا۔ اس کے قیام کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ۱۹۶۱ء میں انجمن تعلیماتِ دین ضلع بہرائچ کی تشکیل ہوگئی تھی۔ شہر کے معروف ایڈووکیٹ جناب سید

محمود حسن اس کے پہلے صدر تھے، انجمن کے تحت پورے ضلع میں دینی تعلیم کے فروغ کا قابلِ قدر کام انجام پایا تھا ۔

دینی تعلیمی کونسل کے بارے میں متعدد کتابیں موجود ہیں۔ کچھ عرصہ قبل قاضی عدیل عباسی کی حیات و خدمات پر ضخیم کتاب (صفحات ۱۶۰۰) 'تحریرِ بے عدیل' کے نام سے منظرِ عام پر آئی تھی ، اس سے قبل مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے، کونسل کے سالانہ اجلاسوں میں پیش کیے گئے خطباتِ صدارت کا مجموعہ بھی 'کبیرِ مسلسل' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، جس میں بہرائچ کی کانفرنس میں پیش کیا گیا خطبۂ صدارت بھی شامل ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''خطباتِ بہرائچ'' میں مولانا علی میاں کے خطبۂ صدارت کے علاوہ دو بہت معلوماتی اور مؤثر خطبے شامل ہیں ۔ خطبۂ استقبالیہ سے خطۂ بہرائچ کی تاریخی عظمت آشکارا ہوتی ہے ، وہاں کی علمی و دینی شخصیات کا تعارف ہوتا ہے اور علم و معرفت اور روحانی ارتقاء کے لیے انجام دی جانے والی کوششوں کا سراغ ملتا ہے ،سید حامد صاحب کے خطبۂ افتتاحیہ سے نئی نسل کے دین و ایمان کے تحفّظ اور زیورِ علم سے اس کی آراستگی کے لیے کوششیں انجام دینے کا حوصلہ ملتا ہے ،خود مولانا علی میاں کا خطبۂ صدارت جوش و جذبہ اور ایمانی حرارت سے معمور ہے ۔

عزیزی جنید احمد نور نے ان خطبات کو اپنے خاندانی ذخیرہ سے نکالا ہے اور انہیں مرتّب کر کے ان کی برقی اشاعت کا ارادہ کیا ہے، موصوف ستھرا علمی و ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ بہرائچ کی تاریخ اور وہاں کے مشاہیرِ علم و ادب کی سوانح اکٹھا کرنے میں جی جان سے لگے ہوئے ہیں، کم

عمری کے باوجود ان کا عزم و حوصلہ اور علمی سرگرمیاں لائقِ ستائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی خدمات کو قبول کرے اور انہیں مزید کی توفیق دے، آمین ۔

محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری شعبۂ اسلامی معاشرہ

جماعت اسلامی ہند

20 دسمبر 2020

خطبۂ استقبالیہ

ریاستی دینی تعلیمی کانفرنس منعقدہ

بہرائچ

۱۷، ۱۸، اپریل ۱۹۸۲ء

از

محمد نظام الدین خاں

صدر مجلس استقبالیہ

بمقام: آزاد انٹر کالج، بہرائچ

خطبہ استقبالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر محترم، علماء کرام، مہمانِ خصوصی، ڈیلی گیٹ حضرات، معزز حاضرین، رفقاء کار اور خواتین!

بہرائچ کے اس قدیم تاریخی شہر میں آپ تمام حضرات کا استقبال کرتے ہوئے میں دلی مسّرت محسوس کرتا ہوں۔ دور دراز سے سفر نمونۂ سقر کی صعوبتوں کو برداشت کرکے آپ نے ہمارے شہر کی جو عزت افزائی فرمائی ہے میں اس کے لیے صمیم قلب سے آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں، بارگاہ رب العزت میں ہمارا سر نیاز جذبۂ سے امتنان و تشکر سے خم ہے کہ اُس نے ہم باشندگان شہر بہرائچ کو علماء کرام، غم خواران ملت اور رہ نمایان قوم کی میزبانی کا شرف عطا فرمایا۔ صد ہزار شکر و سپاس ہے اُس ذات بے ہمتا کے لئے جس نے ہم سب کو دین و ملت کے اہم ترین مسٔلہ پر سر جوڑ کر بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

میں آپ تمام حضرات کا اور خصوصی طور پر صدر محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدفیوضہٗ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے نہایت بیش قیمت وقت میں سے دو(۲) دن ہماری کانفرنس کے لیے فارغ فرمائے۔ مولانائے محترم کی ذات تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ ایک داعی الی اللہ، ایک مفکر اسلام، ایک بلند پایہ مصنف، ایک عظیم مورخ، ایک سحر آفریں مقرر، ایک صاحب کردار عالم دین اور عربی واردو کے ایک عدیم المثال ادیب کی حیثیت سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالمِ اسلام میں متعارف ہیں۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ، دار المصنّفین اعظم

گڑھ، دینی تعلیمی کونسل اترپردیش، کل ہند مسلم مجلس مشاورت، تحریک پیامِ انسانیت، رابطہ عالم اسلامی مکہ کی مجلس تاسیس، مدینہ یونی ورسٹی کی اکیڈمِک کونسل کے علاوہ ملک اور بیرون ملک کے متعدد دینی تعلیمی ادارے مولانا ہی کے قلب وذہن سے حرارت و روشنی حاصل کرتے ہیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت کا مورخ خود دعوت و عزیمت کا تاریخ ساز ہے۔ کاروان مدینہ کا مصنف آج اس کارواں کا سالار بھی ہے، سیرت سید احمد شہیدؒ کا سوانح نگار اس عظیم مرد مجاہد کی ولولہ انگیز سیرت کا وارث و امین بھی ہے۔ گراں قدر فیصل ایوارڈ آپ کی عظیم اسلامی خدمات کا ایک حقیر اعتراف ہے۔ مولانا کی دل آویز شخصیت ہم اسلامیانِ ہند کے لیے منارۂ نور ہے۔ ایسے مرد خود آگاہ وخدا بین کا خیر مقدم کرتے ہوئے میں بے پناہ فخر و مسّرت محسوس کرتا ہوں۔

معزز و محترم حاضرین! میں مخصوص طور پر اپنے مہمان خصوصی عالی جناب سید حامد صاحب، آئی۔اے۔ائس، وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی منصبی ذمہ داریوں اور غیر معمولی مصروفیات کے باوجود اس اہم کانفرنس کا افتتاح کرنا منظور فرمایا۔

یہ ہم باشندگان بہرائچ کی کوش قسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ یہ شہر اپنی تاریخ میں پہلی بار مسلم یونی ورسٹی کے کسی وائس چانسلر کا استقبال کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے مسلمانانِ ہند کو جو ذہنی اور جذباتی تعلق ہے اور سید صاحب موصوف کا یونی ورسٹی سے جو کلیدی تعلق ہے، اس کے مدِّ نظر ہم بڑے جذبات و

توقعات سے آپ کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں اور ہم مسلمانان ہند کو اُن کی عالی قدر ذات سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔

صدر محترم! آج جس شہر میں ہم آپ کا استقبال کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں وہ عہد قدیم سے ہی علم و روحانیت کا مرکز رہا ہے۔ پاسبانِ ہندوستان ہمالہ ذی شان کی مینو سواد وادی میں آباد اس شہر سے تھوڑے فاصلہ پر سراوستی کا مقام ہے، جہاں پچیس سال تک مہاتما بُدھ تلاشِ حق کے لیے گیان دھیان میں مراقب رہے۔ آج بھی سراوستی کے کھنڈرات اس عظیم متلاشیٔ حق کی صحرا نوردیوں کا افسانہ زبانِ حال سے کہتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مشہور چینی سیّاح ہوان سانگ، جو بدھ مذہب کے آثارِ صنادید کی تلاش میں ہندوستان آیا تھا، بہرائچ بھی حاضر ہوا تھا۔ اُس کے سفر نامہ کے اوراقِ پارینہ اس معمورۂ علم و روحانیت کے ذکر سے پُر ہیں۔

مجاہدِ کبیر، کاروانِ عشق و مستی کے امیر حضرت سید سالار مسعود غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف اسی شہر کو حاصل ہے۔ آپ نے آج سے ایک ہزار سال قبل غزنی سے طویل مسافت طے کر کے شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اس سرزمین پر جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ شہید موصوف سلطان محمود غزنوی کے بھانجے، پیر ہرات حضرت شیخ عبداللہ انصاریؒ کے ہم عصر اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد تھے۔ سرزمینِ بہرائچ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ وہ شہدائے دینِ حق کے لہو سے بار بار لالہ زار بنی اور زہ سواران اسلام کے قدموں سے متعدد بار پامال بلکہ مالامال ہوئی

ہے۔اس شہر کی فضاؤں کی رنگینی و رعنائی، اس کا شباب اور اس کی شادابی انہیں مردانِ حق آگاہ کی مسیحا نفسی کی رہین ہے۔

یہاں فیروز شاہ تغلق مشہور عرب سیّاح ابن بطوطہ کی معیت میں آیا ہے۔ابن بطوطہ کا سفر نامہ، ضیاءالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی اور عبدالرحمٰن چشتی کی مرآۃ مسعودی، اس خطۂ دل نواز کی خصوصیات و حالات کی ترجمان ہیں۔

صدر محترم! یہاں حضرت سید بڈھنؒ، سید اجملؒ اور سید امیر ماہؒ جیسے اساطینِ علم و معرفت کے مزارات ہیں، جو آج تک زیارت گاہِ عوام و خواص ہیں۔سید اجمل بہرائچیؒ وہ مشہور بزرگ ہیں جن سے ابراہیم شرقی کے دربار میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ کا مناظرہ ہوا تھا۔حضرت سید امیر ماہؒ سُہر وردیہ سلسلہ کے ایک نام ور بزرگ اور حضرت مخدوم جہاں گیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔لطائف اشرفی میں حضرت مخدومؒ نے آپ کا ذکر احترام و عقیدت سے کیا ہے۔فارسی کی مشہور ابتدائی درسی کتاب 'مامقیماں' کے محترم مصنف کا مدفن بھی اسی شہر میں ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جدّ امجد کے پدر بزرگوار حضرت شاہ فیروز شہیدؒ کا مدفن مبارک آج بھی معلوم خاص و عام ہے۔شہید موصوف کے بہرائچ آنے اور جام شہادت نوش کرنے کا ذکر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور تصنیف 'اخبار الاخیار' میں کیا ہے۔

صدر محترم! حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور حضرت شاہ غلام علی شاہ صاحب دہلویؒ کے برادرِ طریقت، بشارات مظہریہ، معمولاتِ مظہریہ اور انفاس الاکابر جیسی کتابوں کے مصنف حضرت شاہ نعیم اللہ

صاحبؒ کا مولد و مدفن بھی یہی شہر ہے۔ حضرت شاہ نعیم اللہ صاحبؒ کا خاندان آج بھی اس شہر میں اپنی سابقہ روایات کے ساتھ موجود ہے۔ 'تفسیر مظہری' کے دیدہ وہ مفسر اور بیہقیٔ ہند حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ کی نایاب تالیف 'حدیث مظہری' کا واحد قلمی نسخہ اب تک اس خاندان کی تحویل میں ہے۔[1] حضرت شاہ بشارت اللہ رحمۃاللہ علیہ خلیفۂ مجاز حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کا مولد و مدفن یہی معرفت کدہ ہے۔ حضرت شاہ موصوف حضرت علامہ خالد کردیؒ، حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ اور حضرت شاہ رٔوف احمد مجددیؒ کے برادرِ طریقت تھے۔

حضرات! یہ وہ اساطینِ علم و معرفت ہیں جن کے ذکر کے بغیر اسلامی ہند کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایسے علوم و معارف کے زر و جواہر سے مالامال، اپنی دینی اور روحانی عظمت میں بے مثال، سدا بہار و لازوال اس شہر میں آپ حضرات کا پُر خلوص خیر مقدم کرتا ہوں۔

اس سرزمین کو مدتوں مولانا شوکت علیؒ، شیخ الحدیث مدرسۂ عالیہ کلکتہ مرحوم مولانا سید حمیدالدین قاسمیؒ، شہنشاہ تغزل میر تقی میرؔ اور ادیب شہیر جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کے قیام کا شرف حاصل رہا ہے۔ یہ سرزمین شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؔ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے قدموں سے سُرخ رو ہو چکی ہے۔

---

[1] اب یہ نسخہ کیڑوں کی نظر ہو چکا ہے جیسا کہ معلوم ہوا ہے تحقیق کرنے پر اہل خانہ سے۔ واللہ اعلم۔ (جنید احمد نور)

حضرات! یہاں وقف درگاہ سید سالار مسعود غازیؒ ہے، جس کی سالانہ آمدنی تقریباً ۸ لاکھ روپئے ہے۔ آمدنی کے لحاظ سے یہ اس وقت یوپی کا سب سے بڑا وقف ہے۔ اس وقف کے زیر انتظام درج ذیل ادارے شہر اور اطرافِ شہر میں چل رہے ہیں:

۱۔ آزاد انٹر کالج بہرائچ: یہی کالج ہے جس کے وسیع سبزہ زار پر آپ حضرات کا استقبال کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آپ کو سن کر تعجب اور افسوس ہوگا کہ یہ ادارہ اب تک تمام کوششوں کے باوجود اقلیتی ادارہ قرار نہیں دیا جا سکا ہے۔ محکمۂ تعلیم کا رویّہ اس سلسلہ میں نہ صرف منفی بلکہ افسوس ناک بھی ہے۔ ہزار خط و کتابت اور سعی و جہد کا جواب یا تو اعتراضات کا لا متناہی سلسلہ ہے، یا پھر ایک مجرمانہ خاموشی۔ ہماری تمام ہم دردانِ قوم و ملت سے درد مندانہ اپیل ہے کہ وہ اپنے ذاتی اثرات و ذرائع کو استعمال کر کے اپنی اس متاعِ گراں مایہ کی دست بُردِ زمانہ سے حفاظت فرمائیں۔ مزید غفلت سے کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر ہم نے اس سلسلہ میں مزید کوتاہی کی تو شاید آئندہ اس قسم کے دینی و ملی اجتماعات کے لیے یہ وسیع میدان تنگ ثابت ہو۔

۲۔ مسعودیہ نسواں جونیر ہائی اسکول: گزشتہ ۳۰ سال سے یہ ادارہ درگاہ شریف کے زیر انتظام چل رہا ہے، مگر اب موجودہ ایڈمنسٹریشن نے اس کی ترقی کے لیے ایک ماسٹر پلان تیار کیا ہے۔ پچاس ہزار روپے سے زائد رقم سالِ رواں میں اس کے لیے منظور کی ہے۔ مجوزہ عمارت کا نصف سے زائد حصہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ آئندہ تعلیمی سال سے اس میں ہائی

اسکول درجات کھولے جارہے ہیں اور آئندہ دو تین سال کے عرصہ میں ان شاء اللہ یہ ایک گرلس کالج کی حیثیت اختیار کرلے گا۔

ان کے علاوہ متعدد پرائمری مکاتب بھی درگاہ شریف کے زیرانتظام چل رہے ہیں۔اور شہر و ضلع اکثر و بیش تر تعلیمی اداروں کو مستقل امداد بھی اس وقف سے دی جاتی ہے۔

اسی شہر بہرائچ میں جامعہ مسعودیہ نورالعلوم جیسا عظیم دینی ادارہ بھی موجود ہے، جو پس ماندہ مشرقی اضلاع میں اسلام کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔اپنی گوناگوں خصوصیات میں یہ بہت سی جامعات سے ممتاز ہے۔اس ادارہ کے بانی مشہور عالم دین حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؔ مرحوم تھے۔انہی کی کوششوں کی بدولت ملک کے اس دورافتادہ گوشہ میں قال اللہ اور قال الرسول کا غلغلہ بلند ہے ۔اس کے علاوہ جامعہ اشرفیہ مسعودالعلوم ،مدرسہ سیدالعلوم اور مدرسہ فیض العلوم جیسے ادارے بھی شہر میں ایک عرصٔہ دراز سے مفید دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہاں ایک اسلامک نرسری اسکول بھی قائم ہے،جو جدید پرائمری تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک بامقصد تربیت گاہ بھی ہے، جس میں نونہالانِ اسلام کے ذہنوں میں دینی عقائد اور اسلامی تہذیب کی آبیاری کی جاتی ہے۔ابھی تک یہ ادارہ ایک کرایہ کی عمارت میں ہے، مگر اب اس نے اپنے ذرائع و وسائل سے سوالاکھ روپے کی مالیت کا ایک وسیع قطعۂ زمین خرید لیا ہے، جس پر تعمیر عمارت کا کام ان شاء اللہ جلد شروع کردیا جائے گا۔

شہر میں ایک مسلم مسافر خانہ ہے، جس کی دو منزلیں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔ مسافروں کے آرام و آسائش کا معقول ہی نہیں، قابل ستائش انتظام ہے۔ یہ ادارہ خود کفیل ہے، بلکہ دینی اور ملی کوششوں میں امداد دینے میں پیش پیش رہتا ہے۔

یہاں ایک ملی امدادی سوسائٹی[2] بھی گذشتہ دس برس سے قائم ہے۔ سوسائٹی کا مقصدِ وجود یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاشی اعتبار سے کم زور طبقوں کو آسان شرائط پر بلا سودی قرضے فراہم کیے جائیں اور ان کی اقتصادی خوش حالی کو بحال کیا جائے۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار (۱۱۵۰۰) افراد کو ایک کروڑ اسّی لاکھ روپے بطور بلا سودی قرض فراہم کیے گئے۔ مسلمان بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے مدرستہ البنات نام کا ادارہ سوسائٹی کی طرف سے قائم ہے۔ نادار اور ضرورت مند طلبہ کے لیے وظائف کا بندوبست ہے۔ پریشان حال اور مصیبت زدہ تقریباً ایک ہزار (۱۰۰۰) افراد کی بلا لحاظ مذہب وملت امداد کی جاچکی ہے۔ ان کاموں کے علاوہ سوسائٹی کی طرف سے ایک پانچ منزلہ عمارت زیر تعمیر ہے۔ اس عمارت کی ایک منزل زیرِ زمین ہے۔ فرش کی منزل پر ملی مارکیٹ اور پہلی منزل پر ملی کامپلیکس پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔ ان عمارات میں ادارہ اپنے مطبوعہ تیرہ (۱۳) نکاتی پروگرام کو عملی شکل دینے میں ہمہ تن مشغول ہے۔ ایک لائبریری، ایک کوچنگ سنٹر، ایک نائٹ اسکول، ایک ٹائپنگ سنٹر اور لڑکیوں کے لیے کڑھائی بنائی کے ایک مرکز کا قیام اس پروگرام میں شامل ہے۔ بہرائچ کی ملی امدادی سوسائٹی ملک میں قائم ایسے تمام خود کفیل مالیاتی اور فلاحی اداروں میں ایک اہم مقام کی مالک ہے۔ سوسائٹی کے پیش نظر ملی فلاح کا ایک جامع

---

[2] تقریباً ۲۰ سال پہلے بد عنوانی کی وجہ سے بند ہو چکی ہے۔ (جنید احمد نور)

منصوبہ ہے۔اس منصوبہ کے تحت ملی ہمدردی کے مالک اہل فکر و نظر حضرات کے لیے اجتماعی کوششوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم بھی مہیا کرنا ہے۔

یہاں پر سیرت کمیٹی، سیرت کونسل اور ادارہ پیام سیرت جیسے ادارے قائم ہیں۔ادارہ پیام سیرت کے تحت گزشتہ مردم شماری کے موقع پر اردو کو اپنی مادری زبان لکھوانے کی ضلعی پیمانہ پر ایک تحریک چلائی گئی، جس کے نتیجہ میں یہ ضلع بھی اردو بولنے والے ضلعوں کی فہرست میں شامل ہو سکا۔

معزز و محترم حاضرین! دینی تعلیمی کونسل نے ۱۹۶۰ء سے اب تک دین وملت کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔اس نے سرکاری درسی کتابوں کا اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لے کراُن کے قابل اعتراض مقامات کی نشاندہی کر کے اُسے شائع کرایا اور حکومت پر زور دے کر ایسے مواد کو نصابی کتابوں سے خارج کرایا۔ کرپلانی کمیٹی کی رپورٹ کو جو اردو زبان اور مکاتب اسلامیہ کے لئے زہر قاتل تھی، مُسترد کرایا۔ کوٹھاری کمیشن کی مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے مضر سفارشات کے خلاف منظم اور آئینی احتجاج کر کے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ ان سفارشات کے نفاذ کو مسترد کر دے۔ حکومت کے بیسک شکشا ایکٹ کو پُر زور احتجاج کے ذریعہ نافذ ہونے سے روکا۔ یہ ایکٹ مکاتب اسلامیہ کے وجود کے لیے ایک بڑا خطرہ تھا۔ مکاتب سے درجہ ۵ پاس کر کے آنے والے طلبہ کے لیے درجہ ٦ میں داخلہ کے سلسلے میں ایک قانون پاس کرایا، جب کہ اس سے قبل ایسا کوئی قانون معرض وجود میں نہیں تھا، جس سے مسلمان طلبہ کو غیر معمولی دقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ دینی تعلیمی کونسل کے زبردست احتجاج کی بدولت نیتیک شکشا جیسی مضر کتاب حکومت کو منسوخ کرنی پڑی۔

مثبت طور پر کونسل نے ضلع کانفرنسوں کا انعقاد کرایا، اضلاع کے آرگنائزر مقرر کیے اور پورے صوبہ کے ایک ایک گاؤں میں مکاتب کا جال بچھا دیا۔اس وقت تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) مکاتب چل رہے ہیں، جن میں تقریباً ۷/لاکھ مسلم بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

صدر محترم اور معزز حاضرین! انجمن تعلیماتِ دین ضلع بہرائچ، دینی تعلیمی کونسل کے قیام کے تھوڑے ہی دنوں بعد ۱۹۶۱ء میں معرض وجود میں آگئی تھی۔سید محمود حسن صاحب وکیل مرحوم اس کے پہلے صدر تھے۔وہ دینی تعلیمی کونسل کے بانی ممبروں میں تھے۔وہ بستی میں ۱۹۵۹ء میں منعقد کانفرنس میں نہ صرف شریک تھے ،بلکہ اس کی کارروائیوں اور تجاویز کی ترتیب میں انہوں نے سرگرم حصہ بھی لیا تھا۔وہ اپنے علم وفضل اور دردمندانہ ملی جذبات کے باعث بڑاوقار اور وزن رکھتے تھے۔میں آج سید صاحب کی روح کو اپنا حقیر نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔انجمن تعلیماتِ دین ضلع بہرائچ پورے ضلع میں دینی تعلیمی تحریک کو پھیلانے اور مستحکم کرنے کی برابر جدّوجہد کرتی رہی ہے۔اس وقت انجمن میں تین جہہ وقتی آرگنائز مستقل طور پر کام کررہے ہیں۔۱۰۵/مکاتب کا انجمن سے الحاق ہوچکا ہے اور تقریباً ۹۵/مکاتب ایسے ہیں جو انجمن کی کوششوں سے قائم ہوئے ہیں، مگر بعض وجوہ سے ابھی اُن کا باضابطہ الحاق نہیں ہو سکا ہے۔اِن مکاتب میں کم و بیش ۱۱/ہزار مسلمان بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

محترم حضرات! دینی تعلیمی تحریک آئندہ نسلوں کے ذہن و کردار کے بامقصد تعمیر و تشکیل کا ایک مسلسل اور خاموش کام ہے۔اس کے لیے ہنگامہ پرور نعروں اور تند و تیز

تقریروں کی حاجت نہیں۔اس کے لیے تو ایک طویل المیعاد جدّ وجہد،ایک خاموش جذبۂ ایثار، ایک گہرا تدبر،ایک مضبوط ٹیم اسپرٹ،ایک مخلصانہ بے نفسی اور ایک متاثر کر دینے والی دل سوزی کی ضرورت ہے۔یہ کانفرنس اُسی وقت کام یاب سمجھی جائے گی جب اس میں دور رس فیصلے کیے جائیں،حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے، متعین اور واضع پالیسیاں وضع کی جائیں اور اہلِ علم واخلاص کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کیا جائے،اپنی کوتاہیوں کے بے لاگ تجزیہ اور اعتراف کے ساتھ ایک نئے عزم اور ولولہ سے اپنا سفر شروع کیا جائے۔

مہمانِ عزیز! ہمیں ایک ایسا لائحہ عمل تشکیل دینا ہے جس میں ایک طرف مسلم عوام میں اپنے ملی اور دینی تشخص کو قائم رکھنے اور اس کو پروان چڑھانے کا شعور بیدار ہو،تا کہ وہ اپنے آزاد تعلیمی ادارے چلانے کے آئینی حق کے حصول کے لیے جد وجہد کر سکیں اور دوسری طرف حکومت کے کلیت پسندانہ عزائم اور غیر آئینی احکام کو کالعدم قرار دیے جانے کی منظم آئینی تحریک میں استحکام پیدا ہو۔

محترم حضرات! ہمیں یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی ہے کہ ہمارے دینی اور ملی تشخص کی بقا اور حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہماری تعلیم ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہو۔بقول علامہ شبلیؒ ۔

کہ ایں سر رشتۂ تعلیم مادر دست ما بشد

”۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان اس ملک میں ایک نئ صورت حال سے دو چار ہوئے تھے۔اس وقت مسلمانوں میں مغربی تعلیم رائج کرنے کے سب سے بڑے علم بردار سر سید احمد خاں مرحوم تھے، مگر وہ بھی تعلیم کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے پر مُصر تھے۔۲۷ جنوری

۱۸۸۴ء کو گرودا سپور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا: ''کوئی قوم، جس کو اپنے بچوں اور قوم کی تعلیم کی خواہش ہو، جب تک وہ تعلیم اپنے ہاتھ میں نہ لیوے، اس کا پورا ہونا غیر ممکن ہے۔''

۲۳، جنوری ۱۸۸۳ء کو لدھیانہ میں لکچر دیتے ہوئے انہوں (سر سید احمد خاں مرحوم) نے کہا تھا ''میں تم سے سچی بات کہتا ہوں کہ قومی تعلیم اور قومی عزت ہم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہونے جب تک ہم اپنی تعلیم کا کام خود اپنے ہاتھ میں نہ لیں گے، گورنمنٹ کی قدرت سے خارج ہے کہ وہ ہمارے مقاصد کی تکمیل کر سکے۔''

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ حکومت کی مداخلت سے آزاد ایک قومی تعلیمی پالیسی کی جو ضرورت ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد تھی اس سے کہیں زیادہ شدید ضرورت ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد ہے۔ ملت کی نشاۃ ثانیہ کا خواب ایک آزاد تعلیمی پالیسی کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس تعلیمی تحریک کو اپنی ریاست کے حدود کے باہر ملک گیر پیمانہ پر پھلانے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ اگر ہم خلوص، ایثار، عزم، استقامت، اتحاد اور بیدار مغزی کے ساتھ اس مہم کو چلا سکے تو ان شاء اللہ

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے

عالی قدر حاضرین! یہاں جو کچھ نظر آرہا ہے وہ ہمارے ایثار پیشہ رفقائے کار کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ ہم بے بضاعت جو کچھ کر سکے ہیں آپ کے سامنے ہے۔ خدا قبول فرمائے۔ جو کچھ نہیں کر سکے اس کا ہمیں اعتراف ہے۔ خدا معاف فرمائے۔

آخر میں ایک بار پھر صدر محترم مولانا علی میاں صاحب، مہمان عزیز سید حامد صاحب، ملک کے اطراف و جوانب سے تشریف لائے ہوئے دین و ملت کے غم گساروں، ڈیلی گیٹ حضرات اور تمام شرکائے جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے صمیم قلب سے اُن کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

خروشِ آرزو ہو، نغمۂ خاموشِ الفت بن
یہ کیا؟ اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغاں برسوں
کچھ اس انداز سے پھر چھیڑا ایسا نغمۂ رنگیں
کہ فرطِ شوق میں جھومے یہ شاخِ آشیاں برسوں

خطبہ افتتاحیہ

ریاستی دینی تعلیمی کانفرنس

منعقدہ بہرائچ

۱۷، ۱۸، اپریل ۱۹۸۲ء

از

سید حامد

وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ

خطبۂ افتتاحیہ

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس دور میں، جب کہ بالعموم انسان تجارت اور سیاست کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے، کچھ بندگانِ خدا ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنے دل کے دامن کو سیاست کی گرد اور تجارتی ذہنیت کے غبار سے محفوظ رکھا ہے۔ باری تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس عہد میں ،جب کہ ہندوستانی مسلمان مایوسی، بے عملی، خود غرضی اور بے حسی کا شکار ہیں، خود ان ہی میں سے کچھ لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے، اس عزمِ جزم کے ساتھ ان کو تباہی کے جبڑے سے نکال کر آبِ حیوان کی سمت لے جائیں گے۔ خالقِ کائنات کا بڑا کرم ہے کہ اس پُر آشوب زمانہ میں ،جب کہ مسلمان، جو خدا کا آخری پیغام ہیں، اپنے دین سے بے تعلق اور اس کی بنیادی تعلیم سے بے بہرہ ہو چکے تھے، کچھ نفوس نے، جن کے دل درد کی دولت سے مالا مال تھے، اس بات کا بیڑا اٹھالیا کہ مسلمانوں کو دین سے بے خبر نہ ہونے دیں گے، کیوں کہ اگر دین نہیں رہا تو پھر وہ کہاں رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کے امین ہیں جو انسان کے لیے قیامت تک سر چشمۂ ہدایت بنا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ثنا کے بعد ہم ان حضرات کے سپاس گزار ہیں کہ انھوں نے گزشتہ بائیس سال میں انتہائی نیک نیتی، بے نفسی، خاموشی اور ایثار کے ساتھ مسلمانوں میں دینی تعلیم کو عام کرنے کا کام کیا۔ فی زمانہ انسان کے کام کرنے کے لیے محرّکات چار ہیں: زر، اعتراف، اشتہار، اقتدار۔ جن صاحبوں نے دینی تعلیم کی اشاعت میں حصّہ لیا انھیں نہ زر کی خواہش ہے، نہ اعتراف کی جستجو، نہ شہرت کی طلب نہ اقتدار کی ہوس۔ ان سب سے مُستغنی اور یکسُو ہو کر وہ صمیم قلب اور نیت اور نگاہ کی پاکیزگی کے ساتھ اپنے بھائیوں کو جہالت ،بے دینی اور گم راہی سے بچانے کے لیے سر گرمِ عمل ہیں۔ ربُّ العزّت انھیں اس کا اجر عطا

فرمائے ،ان کی کوششوں کو کام یابی سے نوازے اور ان کے حوصلوں کو مضبوط اور بلند کرے۔آمین۔

میرا اشارہ صرف ان اکابر کی طرف نہیں جنھوں نے دینی تعلیمی کونسل کی تاسیس، پرداخت اور رہبری میں نمایاں حصہ لیااور جن میں سے گزشتہ دوسال میں ہم جناب ظفراحمد صدیقی اور قاضی عدیل عباسی کو کھو بیٹھے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔میرا روئے سخن خصوصاًان غیر معروف کارکنوں کی طرف ہے جواس تحریک کے قالب میں دورانِ خون کی حیثیت رکھتے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے مشکلات کا ہجوم مہمیز کا کام کرتا ہے، حوادث جنھیں ایڑ لگاتے ہیں،نامساعد حالات سے جو خائف نہیں ہوتے،مایوسی اور شک جن کو چھو نہیں سکتے ،ایسے ہی ہیں جن کے لئے اقبالؔ نے کہا تھا۔

گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلمان کا
بیابان کی شبِ تاریک میں قندیل رہبانی

صدہا موانع و مشکلات کے باوجود دینی تعلیمی مہم کی کام یابی کا راز اس کے سر براہوں اور کار کنوں کے خلوص ،یقین، شہرت نا طلبی میں ہے۔یہی وجہ ہے کہ سیاست، گھُن لگا دینے والی اخلاص سوز سیاست ،اس میں داخل نہیں ہوئی۔اس تحریک کو ہمیں سیاست سے ہر قیمت پر بچانا ہے۔ہمارے بعض بڑے ادارے جس طرح سیاست اور انانیت اور ہوس کے ہاتھوں برباد ہوئے ،اس کی داستان بہت عبرت ناک ہے، جسے دہرانے کا یہ موقع نہیں۔دینی تعلیم کی یہ تحریک ہزارہا بندگانِ خدا کے اخلاص،ایثار اور محنت سے پروان پڑھی ہے۔آپ اس تحریک کو اسی نہج پر پھیلنے دیجئے۔اس تحریک کو جو چلتی ہوئی ہوا اور بہتے ہوئے پانی اور گرماتی اور اُجالا

کرتی ہوئی کرنوں کی طرح ہے، اداراتی حصار میں سمیٹ کر محدود نہ کیجئے کہ عناصر کی طرح اخلاص و ایثار کو حد بندی گوار نہیں ہوتی۔ یہ تحریک ضرورت کے سوتوں اور ایمان کے سرچشموں سے پھوٹی ہے۔اسے روایت اور سخت گیر انتظامی ڈھانچے اور مرکزی گرفت سے پا بہ زنجیر نہ کیجئے، کیوں کہ ایسی صورت میں بڑا خطرہ اس بات کا ہوتا ہے کہ سیاست کہیں نہ در آئے، خدمت کے جذبے اور فطری جوش و خروش کو گہن نہ لگ جائے۔ضابطہ کا آہن روح میں نہ اُتر آئے۔آمد آورد کا رنگ اختیار نہ کر لے۔ تصنّع کہیں حاوی نہ آ جائے۔علاوہ ازیں فی زمانہ مسلمانان ہند میں یہ صلاحیت ڈھونڈنے سے نہیں ملتی کہ کسی بڑی ملک گیر تحریک کو ایک مرکز سے چلا سکیں۔ان بکھرے دانوں کو ایک تسبیح میں پرونا اب کسی بشر کے بس کی بات نہیں۔لیکن دانے، جو بکھرے ہوئے ہیں، جہاں ہیں وہیں تسبیح و تہلیل کے کام آئیں گے۔ہر دانے سے ہزاروں دانے نکلیں گے اور یہی راہ اب ہمارے لیے کام یابی اور سُرخ روئی کی راہ ہے۔اس طرح نہ صرف مذکورہ خطرات سے بچے رہیں گے، بلکہ جابجا مقامی خلوص کی نشو و نما ہوگی اور مقامی اقدامیت کو پنپنے کا موقع ملے گا۔کونسل کا کام رہبری، رہ نمائی، نگہبانی اور حوصلہ افزائی ہوگا۔اس کا رول یہ ہوگا کہ ہر کارِ خیر میں خود کو ضرب دینے، ہر بیج میں زمین کا سینہ چیر کر آنکر نکالنے کی جو طاقت ہوتی ہے، اس کو بروئے کار لانے میں مدد دے اور بالیدگی کے لیے جو غذا درکار ہے اس کی فراہمی کا حسب مقدر انتظام کرے اور ایک تربیت آگیں نگاہ مقامی کوششوں اور ان کی پیش رفت پر رکھے اور زندگی اور نور کے اس پیغام کو پھیلانے میں یاور ہو۔

یہ بات کم عبرت ناک نہیں کہ سید احمد خاں، ان کے رفقاء اور متبعین کی کوششوں کے باوصف ہندوستانی مسلمان ہنوز تعلیمی طور پر پس ماندہ ہیں۔ تعلیم کے اعتبار سے ان سے زیادہ پچھڑی ہوئی قوم اس میں نہیں۔ ستم یہ ہے کہ وہ مسلمان جو کبھی علم و جستجو کے کارواں سالار تھے، ترقی کے قافلہ کی گردِ راہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ہندوستان کی یہ دوسری اکثریت ہندوستان کی قوموں میں سب سے پچھڑی ہوئی اور سب سے جاہل ہے۔ حتّٰی کہ ہریجن بھائیوں میں علم کا ذوق اور ترقی کا حوصلہ اور آگے بڑھنے کی لگن اور تعلیم میں اضافہ کی شرح ہم سے بہت زیادہ ہے۔ ہم علم سے غافل ہو گئے ہیں۔ دوسری قومیں علم کا سفر تیزی کے ساتھ طے کر رہی ہیں۔ فاصلہ دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ دینی تعلیمی کونسل عام طور پر تعلیم کی توسیع کے سندیسہ کو گھر گھر پہنچا سکتی ہے۔ وہ نئی نسل کے دلوں میں یہ بات بٹھا سکتی ہے کہ مسلمانوں پر تحصیلِ علم فرض ہے اور اگر ہم جاہل رہے اور ہم نے اپنے بچوں کو جاہل رکھا یا پڑھنے اور پڑھانے یا پڑھوانے کا حق پوری طرح ادا نہیں کیا تو دنیا میں کم نصیبی اور بے چارگی اور بدنامی کے علاوہ حشر کے روز شرم سار ہونا پڑے گا۔ کسی دین نے تحصیل علم پر اس قدر زور نہیں دیا جتنا اسلام نے دیا ہے۔ اسے تاریخ کا طنز کہیے یا ہماری کج روی اور گم راہی کہ مسلمان ہی علم سے بے نیاز ہو بیٹھے۔ علم کی بازیابی، بالیدگی اور نشاۃِ ثانیہ کے فرائض انجام دینے کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور محمل نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ایک لمحہ کی غفلت سو سال پیچھے کر دیتی ہے۔ حساب لگائیے، چار سو سال کی غفلت نے ہمیں کتنے پیچھے ڈال دیا ہو گا۔ بہر کیف کام قسمت کا گلہ کرنے، ابنائے زمانہ سے شکوہ سنج ہونے سے نہیں چلتا۔ ہمیں ترقی کرنا اور باعزت زندگی بسر کرنا ہے تو علم حاصل کرنا ہو گا۔ ضرورت ہے ایک عہد ساز، ملک گیر کوشش کی

۔ تعلیم کے پیغام کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچایا جائے۔ مسلمان تاریخ کے اس موڑ پر پہونچ گئے ہیں کہ اگر انھوں نے جہالت کے آسیب سے دامن نہ چھڑایا تو جاں بر نہ ہو سکیں گے اور بفرض محال ہو بھی گئے تو عزت کے ساتھ نہ رہ سکیں گے۔ افسوس کہ ہماری آنکھوں پر ابھی تک غفلت اور رعونت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو ہم نہ دیکھتے کہ ہندوستانی مسلمان اس راستے پر چل رہے ہیں جو فنا کی منزل کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر دن جو گزرتا ہے اس عبرت ناک انجام کو قریب لارہا ہے۔ اگر ہم کو سنبھلنا ہے، اگر ہمیں زندہ رہنا ہے تو علم حاصل کرنا ہوگا، علم کو عام کرنا ہوگا، صدیوں کا قافلہ سالوں میں طے کرنا ہوگا۔ جہالت اس زہر کی مانند ہے جو آہستہ آہستہ رگ وپے میں سرایت کرتا ہے، اس کی آہٹ تک نہیں ملتی اور بالآخر کام تمام ہو جاتا ہے۔ ہماری سب سے بڑی دشمن جہالت ہے۔ اسلام اور جہالت ہم اضداد کو باہم جمع کرنے کے بظاہر مرتکب ہوئے ہیں۔ جہالت تو ثابت ہے، البتّہ وہ اسلام جو جہالت کو گوارا کرلے، اس کی رفاقت کو برادشت کرلے، اسلام نہیں، اسلام کا مضحکہ خیز اور درد انگیز خاکہ ہوگا۔ دینی تعلیمی کونسل کے پاس اپنا ہی کام بہت ہے، لیکن جو لوگ کام کرتے ہیں وہ مقناطیس کی طرح کاموں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ عام تعلیم کی بابت نقطۂ نگاہ درست کرنا اور میدان ہموار کرنا اور اس کی ضرورت کی طرف توجّہ دلانا، اتنا کام اور دینی تعلیمی کونسل اپنے ذمے لے لے تو بہت اچھا ہو۔

تعلیم میں دین و دنیا دونوں کی فلاح ہے۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ جاننے کا نتیجہ ہے پہچاننا۔ جاننے اور پہچاننے سے مراد ہے کسی چیز کی بھلائی اور برائی سے واقف ہونا۔ اس کے لیے پرکھنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ علم کا جوہر حافظہ سے زیادہ غور و فکر میں ہے۔ اسی غور و فکر

اسی تدبّر و تفکّر کی تاکید کلامِ مجید میں کی گئی ہے۔ایک بار نہیں، سینکڑوں بار۔اسی غور و فکر نے مسلمانوں کو عالمی علم کا مُحی اور امین اور داعی اور ناشر بنادیا تھا۔اپنے گرد و پیش کا اور انفس و آفاق کا مشاہدہ کرنا قدرت کے مظاہر، مشاہدات اور تجربات پر غور و خوض کرنا اور غور و خوض کے بعد نتائج تک پہنچنا، یہی ہمارے اسلاف کا شعار تھا اور یہی اُن کا نشانِ امتیاز۔ علم دین کی بھلائی اس لیے ہے کہ علم نیک و بد میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، ضمیر کے ساتھ مل کر بُرائی سے روکتا ہے اور بھلائی کی طرف لے جاتا ہے۔ علم میں دنیا کی فلاح کے شواہد ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ علم شعور کو جلا دیتا ہے، زندگی سلیقہ سے بسر کرنے کا ڈھنگ سکھاتا ہے، بھلے بُرے کی تمیز اور برائیوں سے بچنا سکھاتا ہے۔اس کے علاوہ تخصیص کے اس دور میں کوئی شخص اپنے کام میں، خواہ اس کا تعلق دفاتر سے ہو، خواہ کارخانوں سے، خواہ کھیتوں اور کھلیانوں سے، خواہ حمل و نقل کے وسائل سے، خواہ گھریلو صنعت اور ہنر اور دست کاری سے، بغیر علم کے ترقی ہی نہیں کر سکتا۔ بات یہاں بھی ختم نہیں ہوتی۔ خود صحّت، جس پر ہر چیز کا، ہر خوشی کا دار و مدار ہے، علم کی دست نگر رہتی ہے۔ یہ دعویٰ کہ علم طاقت ہے، اب کسی ثبوت کا محتاج نہیں رہا۔ وہ قومیں جو علم کی دوڑ میں آگے ہیں طاقت ور ہیں، صاحبِ اقتدار ہیں۔ دنیا میں ان کا طوطی بولتا ہے، ان کے نام کا سکہ چلتا ہے۔ ٹکنالوجی ان کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ جو قومیں علم لگن کے ساتھ حاصل کرتی ہیں وہ جرم ضعیفی کا ارتکاب کر ہی نہیں سکتیں۔ جس کے سینہ میں علم ہے اس کے ہاتھ طاقت ہے۔ شعور اور طاقت کے اس سرچشمہ سے ہم خود کو محروم کیوں رکھیں؟ یاد رکھیے، علم فراموشی اور خودکشی کے مابین زیادہ فاصلہ نہیں رہتا۔

میں اب دائرہ کو چھوٹا کرتا ہوں، مرکز کی طرف آرہا ہوں۔ دینی تعلیمی کے نصاب اور اس کے حلقہ پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ اس تیز رفتار دنیا میں احتساب اور ترمیم سے جو غافل ہوا، کہنگی اور فرسودگی کا شکار ہو گیا۔ ہمیں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ انسان کی شخصیت اور کردار، اس کی افتادِ طبع، اندازِ فکر اور طریق ردِ عمل، ان سب کی تشکیل اور یک گونہ تکمیل بچپن میں ہو جاتی ہے۔ بعض ماہرینِ نفسیات کی نگاہ میں زندگی کے ابتدائی پانچ سال اس ضمن میں سب سے اہم ہوتے ہیں اور جیسے جیسے پانچویں سال کے بعد ہم آگے بڑھتے ہیں، تعلیم و تربیت اور ماحول کے اثرات کا شخصیت کو ڈھالنے میں حصہ بتدریج کم ہو جاتا ہے۔ اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں: ایک یہ کہ والدین کو دین سے روشناس کرانا اور گھروں کے ماحول میں دین کو داخل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا بچوں کو دین کی تعلیم دینا۔ یہ گوشہ مبلغین کی چشمِ التفات کا منتظر ہے۔ ہمارے معاشرے کی زبوں حالی اور محرومی پکار پکار کر کہہ رہی ہے

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کُنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کُنند

دوسرے یہ کہ بچوں کو پہلے دین کی تعلیم دی جائے، پھر عام رواج یافتہ تعلیم۔ دل و دماغ پر پہلے نقوش دینی تعلیم کے ثبت ہونے چاہئیں۔ مروّجہ دُنیاوی تعلیم تک ہمیں دینی تعلیم کے راستے سے پہنچنا چاہیئے۔ جو لوگ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم کی طرف آتے ہیں وہ دینی تعلیم کے بے واسطہ بے آمیزش فیض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وہ اپنے دین کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ دل و دماغ لمعاتِ دینی سے منّور نہیں ہو پاتے، ان پر سر چشمۂ ہدایت اور دستورِ حیات کا نزول براہ راست نہیں ہوتا۔ لہذا بچوں کے نصاب کو دو طرح سے

ترتیب دینے پر غور کیا جائے۔ایک تو ان بچوں کے لیے جنھیں جلد انگریزی تعلیم کی طرف نہیں جانا ہے اور دوسرے ان بچوں کے واسطے جو ایک قلیل مدّت کے لیے دین کے نقوش دل ودماغ پر مرتسم کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور جنہیں اقتصادیات کا فشار اور مقابلہ کی دنیا کا نظام جلد ہی رائج الوقت دنیاوی تعلیم کی طرف لے جائے گا۔

حضرات! آپ اس گتھی کو بھی حل کیجئے کہ جن بچوں کو، اور اکثریت ان ہی ہے، دینی تعلیمی مدارس میں جانے کی توفیق نہ ہوگی، ان کو عام اسکولوں میں انگریزی یا ہندی تعلیم کے دوران، دین سے رُوشناس کرنے اور دین اور روایات سے پیوستہ رکھنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ کیا دینی تعلیمی کونسل اس طرف بھی توجّہ دے گی؟ کیا یہ ممکن ہوگا کہ ان بچوں کے لیے جز وقتی اور مراسلاتی تعلیم کی سبیل نکالی جائے؟ یہ طبقہ اتنا بڑا ہے کہ ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ نہ اسے لادینی اور گمراہی اور تشکیک کے حوالے کر کے چین سے بیٹھ سکتے ہیں۔ صورت حال کا المناک تقاضا یہ ہے کہ بہتر صلاحیتوں کے بچے دینی تعلیم کی طرف نہیں آتے۔ اگر وہ حالات کے فشار اور والدین کی غفلت کے تحت دینی تعلیم کی طرف نہیں آتے تو ہم سپر انداز کیوں ؟ کیوں نہ دینی تعلیم کو ان کے پاس بھیجیں؟ میں درخواست کروں گا کہ دینی تعلیمی کونسل اس مسئلہ کی طرف ملتفت ہو۔

مادیت کو دن بدن فروغ ہو رہا ہے۔ قدریں تیزی سے بدل رہی ہیں۔ شخصیتوں کو زر میں تولا، لباس سے پہچانا اور ظواہر سے آنکا جاتا ہے۔ باطن جو یوں ہی چھپا ہوا تھا بالکل رُوپوش ہو گیا ہے۔ دَور دورہ اب ظواہر کا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سطحیت کے سیلاب میں زندگی کی بنیادی قدریں بہہ گئی ہیں۔ ہمارے بچے گرد و پیش میں جو کچھ دیکھتے ہیں اسی سے متاثر ہوتے

ہیں۔ جو لوگ انہیں خوش حال اور خوش پوش اور بظاہر خوش اطوار نظر آتے ہیں، انہی کی وہ قدر کرتے ہیں، انہی سے سے مرعوب ہوتے ہیں۔ انگریزی لباس اور انگریزی لب ولہجہ انہیں متاثر کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ دینی تعلیم دیتے ہیں وہ ایک طرف جدید تہذیب کی ملّمع کاریوں سے محفوظ ہیں اور دوسری جانب مادّی خوش حالی سے محروم۔ چنانچہ بچے اکثر ان کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے۔ استاد کا احترام اگر دل میں نہ ہوا تو شاگرد سیکھے گا کیا؟ ایسا استاد جو کچھ پڑھائے گا وہ عدمِ احترام یا عدمِ توجّہ کی نذر ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری نظر آتا ہے کہ آغازِ سفر میں ہی اسلام کی بنیادی اقدار بچوں کے دل نشیں کر دی جائیں، تاکہ ان پر آگے چل کر نہ سامری کا جادو چل سکے نہ ساحر الموط کا افسوں۔ یہ بات شروع سے دل میں بٹھا دینی چاہیے کہ ظاہری چمک دمک ایک فریب ہے۔ جو یہ فریب کھا گیا وہ عمر بھر بھٹکتا رہے گا، سکون کو ترستا رہے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر دینی چاہئے کہ آدمی بڑا وہ ہے جو سچا، بے لوث، درد مند، پاک دامن اور اللہ کا فرماں بردار ہو۔ آدمی بڑا وہ ہر گز نہیں جو اچھے کپڑے پہنتا ہو، اچھے اور آراستہ مکان میں رہتا ہو اور اچھی سواری میں بیٹھا ہو اور مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔ اگر شروع میں ہی بچے کو زندگی کی بنیادی قدروں سے آشنا کر دیا گیا، اس کی گرفت ان پر مضبوط کر دی گئی تو نصاب اور مثال کے ذریعہ دینی تعلیم حاصل کرنے اور مذہب کو جذب کرنے میں بہت آسانی ہو جائے گی۔ نظام کائنات کے پس منظر میں مشاہدات کے وسیلے سے زندگی کی صالح قدروں کی تعلیم دینی چاہیے۔ جو لوگ غور وخوض کرتے ہیں انہیں چمن کا پتّہ پتّہ بوٹا بوٹا خالقِ کائنات کی طرف اشارہ اور اس کی حکمت کی نقاب کشائی کرتا ہو نظر آتا ہے۔ سعدی نے کہا تھا۔

برگِ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار

اور جب انسان سوچنے لگتا ہے کہ ساری کائنات احکامِ الہیٰ کے تابع اور ان کی تعمیل کے لیے وقف اور خود انسان کی پرورش اور پرداخت پر مامور ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ خالقِ کائنات کے احکام سے سرتابی کرے تو یہ ناانصافی ہوگی، ظلم ہوگا، جہالت ہوگی۔جب کائنات ایک طرف جائے گی اور وہ دوسری طرف تو نتیجہ ظاہر ہے۔

ابر و باد مہ وخوشید و فلک درکارند
ناتونانے بکف آری وبہ غفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

حاصلِ کلام نصاب پر اس لحاظ سے نظر ثانی کی شدید ضرورت ہے۔اس سے کچھ کم اہم اور دوررس نہ ہوں گی والدین کے نقطۂ نگاہ کو بدلنے اور ان کے طرز فکر کو سنوارنے کی کوششیں۔یہ نسل جو آزادی کے بعد پروان چڑھی ہے اس کو اسلامی روایات میں پنپنے کا موقع کم ہی ملا ہے۔اچھے معلمین کی فراہمی اور ان کی تربیت دشوار ہے۔

حاضرین کرام! دائرہ کار بڑھتا چلا جا رہا ہے اور کام دشوار سے دشوار تر ہوتا جارہا ہے۔ان بچوں کی پرداخت جو دینی تعلیم کے لیے سامنے آرہے ہیں، آئس برگ کی اس کہاوتی نوک سے نہیں جس کا سرا پانی کے اوپر نظر آتا ہے۔اس تعلیم کا فیض ان بچوں تک بھی پہنچنا چاہیے جو عام اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔دینی تعلیم کے دوررس اور دیرپا ہونے کے لیے یہ

بھی ضروری ہے کہ اچھے معلمین کی فراہمی اور تربیت پر دھیان دیا جائے اور والدین کو بھی دینی تعلیم کے حلقۂ فیض میں کھینچ لایا جائے۔ان میں سے ہر کام دشوار اور حوصلہ فرسا ہے۔لیکن آپ لوگ یہاں نہ سہل انکاری کے لیے جمع ہوئے ہیں نہ سہل آشامی کے لیے۔ دشواریوں کی کشش ہی آپ کو یہاں کھینچ لائی ہے۔یہ شعلہ آشاموں کی انجمن ہے، شیر خواروں کی نہیں۔اس پروگرام کی کام یابی کے لیے ہمہ جہت کوشش کی ضرورت ہے۔یک جہتی پروگرام بر حق لیکن ناکافی ہے۔

نصاب کا ذکر چھڑ گیا ہے تو ایک بات جو میں ایک اور موقع پر بھی عرض کر چکا ہوں، دہراؤں گا:

تعلیمی صورتِ حالات نے ہماری ملت کے دو ٹکڑے کر دیے ہیں۔ایک طبقہ دینی تعلیم حاصل کرتا ہے، دوسرا جدید انگریزی تعلیم۔ان دونوں کی دنیائیں الگ ہیں۔دینی تعلیم پانے والے بالعموم جدید تعلیم سے بیگانہ رہتے ہیں اور جدید تعلیم پانے والے عام طور پر مذہب سے بے بہرہ۔اس طرح ملت دوئم ہو کر رہ گئی ہے۔یہ ہم آہنگی، توازن اور اتحاد سے اس وقت تک محروم رہے گی جب تک کہ دینی اور دنیاوی تعلیم پانے والوں کے درمیان فاصلہ باقی رہتا ہے۔ دنیاوی تعلیم دینے والوں کو یہ فکر کیوں لاحق ہونے لگی کہ ان کی تعلیم یک رُخی نہ رہے؟ یہ کام دینی تعلیم دینے والوں کا ہے کہ اس خلیج کو پاٹیں۔اول تو دینی تعلیم کے نصاب کو اس طرح ڈھالیں کہ اس میں آگے چل کر دنیاوی تعلیم کے ساتھ توأم ہونے کی صلاحیت رہے، دوم عام اسکولوں میں تعلیم پانے والوں کو مذہب کی جُز وقتی یا مراسلاتی تعلیم دینے کا انتظام کریں۔یہ کام بہت بڑا ہے، لیکن کرنے کا ہے۔اس سے کونسل کا دائرہ کار بہت وسیع ہو جائے گا۔اس

میں اچانک ، بے سوچے سمجھے، بنا تیاری کے ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ پہلے وسائل پر غور کرنا ہوگا، مالی اور افرادی اور تنظیمی وسائل۔ نیا کام ہاتھ میں لینے سے پہلے یہ اطمینان کرنا ہوگا کہ اس کام میں پڑنے سے کہیں اس ابتدائی اور بنیادی کام میں خلل تو نہیں پڑے گا جو دینی تعلیم کو نسل اب تک کرتی چلی آئی ہے۔

جہاں تک دینی تعلیم کی بنیادی مہم کا تعلق ہے، اس کے نصاب پر وقتاً فوقتاً نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس نصاب کے ساتھ زمانۂ حاضر اور اس کے مسائل کو پیوست کر کے اس کی جامعیت اور افادیت میں اضافہ کرنا مناسب ہوگا۔ عقائد کے علاوہ اعمال پر زور دینے سے بات ذہن نشین کرانے میں مدد ملے گی اور دین کے عملی پہلو کو تقویت ہوگی۔ بچوں کے ذہن میں یہ بات بٹھادینی چاہیے کہ دین کی قلم رو صرف حافظہ نہیں، صرف دل و دماغ نہیں، اعمال بھی ہیں۔ اسلام کے متعلق دنیا رائے مسلمانوں کے معتقدات کی بنا پر قائم نہیں کرے گی، بلکہ ان کے افعال و کردار کی بنا پر۔ انسان کے دل میں کیا ہے یہ صرف خدا جانتا ہے یا خود وہ انسان، لیکن وہ کیا کرتا ہے؟ کیا کہتا ہے؟ اسے دنیا دیکھتی ہے، جانتی ہے، اس سے متاثر ہوتی ہے اور نتائج نکالتی ہے اور رائے قائم کرتی ہے۔

کسی اقلیت کی باعزت بقا کے لیے تین تدابیر ضروری ہیں:

۱۔ وہ اپنے مذہب اور تمدن پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔

۲۔ ان تھک ریاضت کر کے اپنے آپ کو اکثریت سے بہتر ثابت کرے۔

۳۔ اکثریت اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ اپنے تعلقات خوشگوار رکھے۔

اس وقت زیر بحث صرف پہلی تدبیر ہے۔

بچوں کے دلوں میں یہ بات شروع سے ہی ڈال دینی چاہیے، مذہب کے بنیادی عقائد کے علاوہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے کردار کی بابت ایک جیتا جاگتا تصور ہونا چاہیے، کیوں کہ تصورات بالآخر شعور اور تحت الشعور دل و دماغ اور رگ و پے میں سرایت کر جاتے ہیں اور افعال و اعمال، اقوال و کردار کے برگ و بار لاتے ہیں۔ انہیں سمجھنا چاہئے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ وہ فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کی پابندیاں بے راہ روی کو روکنے کے لیے ہیں، اس کی پابندیوں میں کشایش اور بالیدگی پنہاں ہے۔ کائنات خدا نے بنائی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ۔ خدا کی طرح اس کی مخلوق بھی ایک ہے، مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اس لیے ہماری محبت کی مستحق ہے۔ اس کے ساتھ مسلمان نیکی، شرافت، رحم اور نرمی کا سلوک روا رکھتا ہے۔ اس کا مسلک ہے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ رحم کرو، اللہ تم پر بھی رحم کرے گا۔ سچ بولو کہ سچ حقیقت ہے اور جھوٹ باطل۔ سیدھے راستہ پر چلو ۔ ظلم جہالت، حسد، جھوٹ اور فریب سے گریز کرو۔ غریبوں ، یتیموں مسافروں اور حاجت مندوں کی مدد کرو۔ صرف خدا سے ڈرو۔ جو مانگنا ہے اسی سے مانگو۔ محنت کی کمائی کھاؤ۔ دل غنی رکھو۔ عمل کا ایک ذرّہ بھی ضائع نہ ہوگا۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے، دنیا اور آخرت دونوں میں۔ بڑوں کا ادب کرو اور چھوٹوں پر شفقت۔ اللہ کے رسول اور آخرت پر ایمان لاؤ، بھلائی کے کام کرو اور لوگوں کو سچائی کی طرف بلاؤ۔ اس زندگی میں جہاں قدم قدم پہ مصیبتیں ہیں، خوف اور لالچ اور ترغیب اور آزمائش ہے، ثابت قدم رہو۔ کوئی خوف تمہیں حق کے راستے سے ہٹا نہ سکے، کوئی لالچ تمہیں ورغلا نہ سکے۔ خدا کے سوائے کسی کے سامنے نہ جھکو۔ دل کو حرص اور حسد سے پاک رکھو۔ علم حاصل کرو، عقل سے کام لو، غور و فکر کی عادت

ڈالو۔ دنیا نہ خواب ہے نہ خیال، ایک زندہ حقیقت ہے، طویل سفر کی ایک منزل ہے۔ جو لوگ دوسرے مذاہب کے ماننے والے ہیں ان سے بدگمان نہ ہو، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ انسانیت کے ٹکڑے جغرافیہ یا رنگ و نسل کی بنا پر نہ ہونے دو۔ اسے افضل و اعلیٰ، ارذل و اسفل کے خانوں میں نہ بانٹو۔ تمہارا لطف، تمہاری ہم دردی اسی طرح عام ہونی چاہیے جیسے ہوا اور پانی، حرارت اور روشنی۔ محنت کرو اور پھل کے لیے خدا پر بھروسہ رکھو۔ قناعت کا مطلب ہے ضرورتوں کو نہ بڑھاؤ۔ توکل کا مطلب ہے خدا کے مُسبّب الاسباب اور کارساز ہونے پر یقین رکھو۔ اپنے قویٰ اور اپنی صلاحیتوں کو کماحقہٗ استعمال نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے، توکل نہیں۔ توکل اور قناعت دونوں کا مفہوم ہے اکلِ حلال کے لیے محنت اور کوشش، ان تھک محنت اور لگاتار کوشش، اور نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دینا۔ اگر کوشش کام یاب نہیں ہوتی تو کبیدہ خاطر اور شکوہ سنج نہ ہو۔ مایوسی سے بچنا کہ مایوسی کفر ہے۔ اس کا مطلب ہے خدا کی رحمت سے انکار۔ ہر فرد اپنے افعال کا ذمہ دار ہے۔ اس کے اعمال کا جواب کوئی دوسرا نہیں دے گا، خود اسے دینا پڑے گا۔ انتہا پسندی، شدت اور سختی سے بچو۔ اعتدال اور سلامت روی اختیار کرو۔ یاوہ گوئی اور الزام تراشی اور تضییعِ وقت سے احتراز لازم ہے۔ پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہ کہو۔ ظلم اور بے دردی سے بچو، رحم اور نرمی اختیار کرو، لیکن حق گوئی اور باطل کی مدافعت کے سلسلہ میں کسی خوف یا تامل کو راہ نہ دو۔

یہ تھی ایک مسلمان کی شبیہ۔ یہ ان تاثرات سے کتنی مختلف ہے جو مسلمانوں کے متعلق عام ہیں۔ اگر ممکن نہ ہو تو دینی تعلیم کے نصاب کے آئینہ میں اس شبیہ کو اُتار لیا جائے۔ نصاب

میں اس عنوان ترمیم کی جائے کہ عقائد وعبادات کے علاوہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور ان پر عمل کرنے والوں کی شبیہ بچوں کے تصورات اور طرز فکر میں پیوست ہو جائے۔

دینی تعلیمی کونسل نے گزشتہ ۲۲ سالوں میں جو کام کیا ہے وہ لائق صد ستائش ہے، لیکن مسئلہ کی وسعت، اہمیت اور نزاکت کو دیکھتے ہوئے یہ کام ناکافی ہے۔ یہاں مجھے اپنی بات کو وزن اور وسعت دینے کے لیے چند سابق دینی تعلیمی کانفرنسوں کے خطباتِ صدارت میں سے اقتباس کی اجازت دیجیے۔ ۱۹۷۵ء کے خطبۂ صدارات میں حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی صاحب مدظلہّ العالی اسلام کی نظر میں تحصیل علم کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کیا ایسی ملت کے لیے کسی وقت اور کسی جگہ بھی اس کا جواز ہے کہ وہ اپنی بقدرِ ضرورت دینی واقفیت اور اپنی آئندہ نسل کے شعوری وعلمی طور پر اسلام پر باقی رہنے کی جدّوجہد اور اس کے تحفظ کے مسئلے سے زیادہ کسی اور مسئلے پر اپنی توجہ اور دل چسپی، اپنی سعی و جدوجہد اور اپنی ایثار وقربانی کا اظہار کرے اور اس تعلیمی محاذ پر دفاع اور اقدام اور ہر اس منفی و مثبت تدبیر کو کام میں نہ لائے جو وقت کا تقاضا اور مسئلہ کا مطالبہ ہے۔"

دینی تعلیمی کونسل کے یک گونہ مؤسس قاضی محمد عدیل عباسی صاحب نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا تھا:

"خیر اانٹر کالج بستی کے ایک لکچرر نے مجھ سے کہا کہ ہندو لڑکے اپنے مذہب کی تمام باتیں جانتے ہیں، لیکن مسلمان لڑکوں کی دینی معلومات اور اپنے اسلاف کے حالات اور تاریخ کا علم بمنزلۂ صفر ہے۔۔۔۔۔ ہندو لڑکیاں اپنے مذہبی ماحول کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، لیکن ایک

مسلمان لڑکیاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان معلّق ہیں۔ان کا نہ کوئی اصول ہے نہ نصب العین۔ بادِ حوادث کا جھونکا تنکے کی طرح ان کو اِدھر سے اُدھر اُڑائے پھرتا ہے۔انھوں نے پھر کہا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ اسکولوں کا کورس ہندو مذہب کی تعلیمات اور دیو مالا سے بھرا پڑا ہے اور مسلمان لڑکے اور لڑکیاں بھی انہی اسباق کے پڑھنے پر مجبور ہیں۔ پھر انھوں نے سوال کیا کہ کیا حشر ہو گا آئندہ نسل کا جوان ہی لڑکیوں کی گود میں پلے گی۔۔۔۔۔“

آگے چل کر قاضی صاحب مرحوم و مغفور لکھتے ہیں ”دینی تعلیمی تحریک ان ہی مذکورہ مشکلات اور پریشان کن سوالات کے حل کے لیے جاری ہوئی تھی۔ دینی کونسل کی ضلع ضلع شاخیں انجمن تعلیمات دین کے نام سے قائم ہوئیں۔۔۔۔۔۔کونسل جبریہ تعلیم سے کام یابی کے ساتھ لڑی، درجہ ٦ میں اپنے بچوں کا داخلہ منظور کرایا، ١٩٥٩ء کا پراسپیکٹس منسوخ کرایا، اصلاح نصاب کے لیے انتہائی زبردست شورش کی۔۔۔۔ گاؤں گاؤں مکاتب قائم ہو گئے۔ پانچ چھ لاکھ بچے بذریعہ اردو تعلیم پا رہے ہیں۔ان سب باتوں سے تعلیم یافتہ طبقے کی بے خبری کیوں ہے؟ کیوں ہر جگہ اس تحریک کی افادیت، ضرورت اور اہمیت کا تذکرہ نہیں ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ آج پورا ملک اس صدا سے گونج رہا ہو، تاکہ ایک بچہ یا ایک بچی ایسی نہ رہ جائے جسے دین کی تعلیم بذریعہ اردو نہ دی جا رہی ہو۔ ہر محفل میں اس کا تذکرہ ہوتا ہو۔ ہر وعظ میں یہ ایک عنوان ہوتا، مگر ایسا نہیں ہے۔ کیوں؟ اے رفیقانِ کار! مقامِ غور و فکر ہے۔“

قاضی صاحب نے کہا کہ ”مقام غور و فکر“ ہے۔انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ماتم یا عبرت کا مقام ہے۔ مردانِ کار کبھی وقتِ عزیز کو ماتم اور شکوہ سنجی میں ضائع نہیں کرتے۔ وہ محاسبہ کرتے ہیں اور منصوبہ بناتے ہیں اور منصوبہ کے جسد میں عمل کی روح پھونکتے ہیں۔ مجھے یہ

کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ دینی تعلیمی تحریک ایک عنوان سے ہندوستانی مسلمانوں کی اہم ترین تحریک ہے۔اس کا تانا بانا عوام نے بُنا ہے۔یہ کوئی کاغذی اور خیالی تحریک نہیں، جس کا تصور آرام کرسی پر دراز ہو کر کیا گیا ہو۔اس تحریک کو تنگ نظری اور عناد کی ہوا تک نہیں لگی۔اس کی بنیاد فراخ دلی، انسان دوستی، ہدایت، پیش رفت اور اجتماعی عزتِ نفس پر ہے۔اس کا دور کا تعلق بھی ابن الوقتی، موقع پرستی، بُزدلی، خویشتن سوزی، ریاکاری اور شہرت طلبی سے نہیں۔میں ایک عرصہ تک ساحل پر کھڑا موجوں سے لڑنے والوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔حالات نے مجھے بھی بحر دخار میں ڈھکیل دیا، تالاطم سے نبرد آزما کر دیا۔مجھے مسلمانانِ ہند کے مرکزی تعلیمی ادارہ سے وابستہ ہونے کی سعادت بخشی گئی ہے۔اس ادارہ کا تانا بانا دینی تعلیمی تحریک سے جڑنا چاہیے تھا۔آپ نے مجھے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے نمائندہ کی حیثیت سے یہاں بلایا ہے۔میں یونی ورسٹی کی طرف سے دینی تعلیمی کونسل کی خدمت میں دعائے خیر اور سپاس وعقیدت کا ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔اسے خدارا منجملۂ آدابِ مجلس نہ سمجھیے۔خدا نے چاہا تو یہ ایک معنی خیز تخلیقی اور تعمیری رابطہ کا نقطۂ آغاز ثابت ہوگا۔میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اپنے سفیر ہمارے یہاں بھیجیں اور یونی ورسٹی کے مسلمان طلبہ کو دینی تعلیمی تحریک سے روشناس کرائیں، تاکہ جب وہ تعلیم سے فارغ ہو کر نکلیں تو دوسرے فرائض کے ساتھ اس اخلاقی فریضہ کو ذوق اور محنت اور لگن کے ساتھ اپنے قرب وجوار میں ادا کریں۔ہمارے ذہنوں میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی ہندوستان کے تعلیمی اداروں کی شیرازہ بندی اور ان کے معیار کے ارتفاع کا کام اپنے ذمہ لے لے۔نئے ایکٹ نے تو یونی ورسٹی کے مقاصد میں اس بات کو شامل کر دیا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی

ترقی کے لیے سر گرم عمل ہو۔ کیا عجب کہ مقامی جذبہ اور اقدامیت کی اہمیت کو گھٹائے بغیر دینی اور دنیاوی تعلیم کے سلسلے میں مفید مشورے دے سکے اور کارآمد اقدامات کر سکے۔

اعداد و شمار کے فریب میں گرفتار ہونا پُر خطر ہے، لیکن اعداد و شمار سے کام لینا منصوبہ بندی اور احتساب دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔ ہمیں ضروری اعداد و شمار جمع اور مشتہر کرنا چاہیے، اور ان کا تجربہ کرنا چاہیے تاکہ پیش رفت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ یہ زمانہ منصوبہ بندی کا ہے۔ پہلے اہداف طے کیے جاتے ہیں، پھر ان کے حصول کے لیے مدت متعین کی جاتی ہے۔ زمانی اعتبار سے منصوبے تین طرح کے ہوتے ہیں: قلیل مدتی منصوبہ، جو بالعموم ایک سال پر حاوی ہوتا ہے۔ درمیانی، جو عموماً تین یا پانچ یا چھ سال کے لیے بنایا جاتا ہے اور طویل جو ۱۵، ۲۰ یا ۲۵ سال تک کا احاطہ کرتا ہے۔ طویل منصوبہ (Perspective Plan) کہلاتا ہے۔ اس کا مقصد سمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ درمیانی منصوبہ سمت کے علاوہ جسدی اہداف اور ان کے لیے مالی وسائل کا تعین کرتا ہے۔ عملی منصوبہ عموماً یک سالہ ہوتا ہے۔ دینی تعلیم کے لیے ہمیں ان تینوں منصوبوں کی تشکیل کرنی ہوگی۔ آئندہ سال ہم کیا کرنے جا رہے ہیں؟ آئندہ پانچ سالوں میں ہم کیا کریں گے؟ اور سن ۲۰۰۰ عیسوی تک یعنی اٹھارہ سال میں ہماری پیش رفت کی شرحِ ترقی اور نہضت کی سمتیں کیا ہوں گی؟ منصوبے کی تشکیل اور اہداف اور سمتوں کے تعین سے دو فائدے ہوتے ہیں: ایک تو کارکنوں اور رضاکاروں کے سامنے ایک واضح مقصد ہوتا ہے، جس کے حصول کے لیے وہ ہفت خواں طے کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ جائزہ اور احتساب کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ ہر سال کے آخر میں یہ

حساب لگایا جا سکتا ہے کہ کام کی رفتار کیسی رہی؟ اگر اہداف ہاتھ نہ آئے تو طریق کار میں کیا کمیاں تھی؟ انھیں کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟

منصوبہ بندی کے تجارب نے ماہرین کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا ہے کہ کام آگے جبھی بڑھتا ہے جب مرکزیت کی شدّت کو کم کیا جائے۔ اختیارات کارکنوں کو تفویض کیے جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ مرکز میں اطلاعات آتی رہیں، تاکہ اس پر نگاہ رہے کہ کام کس طرح چل رہا ہے؟ جہاں لال بتی نے آنکھ جھپکائی وہیں غلطی کی اصلاح کر دی گئی۔ دینی تعلیمی تحریک کو بھی اس طرح کی نگرانی (Monitoring) سے اُستوار کیا جا سکتا ہے۔ جب کام پھیلتا ہے تو اس کو ڈھنگ سے چلانے کے لیے نگہبانی کا یہ دستور ناگزیر ہو جاتا ہے۔ نگہبانی کے ایوان میں دو ستون ہیں: اول تحریری اطلاعات، زمانی تعین کے ساتھ، دوم معاینہ۔ یہ عمل سوز رجحان اکثر اداروں اور شعبوں میں دیکھنے میں آیا کہ مرکز اتنی زیادہ تحریری اطلاعات مانگتا ہے کہ میدان میں کام کرنے والوں کا وقت کاغذوں کی خانہ پُری میں گزرنے لگتا ہے اور کبھی کبھی فرضی اعداد و شمار کی تخلیق میں۔ مجھے یقین ہے کہ دینی تعلیم کے رضاکار، جنہیں نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پروا، اعداد و شمار کے ساتھ نہیں کھلیں گے، دینی تعلیمی کونسل کو البتہ یہ چاہیے کہ صرف چند معنیٰ خیز امور کے متعلق سال میں ایک یادداشت اطلاعات طلب کرے۔ حاصلِ کلام منصوبہ بندی، جائزہ احتساب، احصار اور معائنہ کے ادوات کا استعمال غالباً کونسل کے لیے سود مند ہو گا۔

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ نصاب میں تبدیلیاں کرنا ہوں گی اور نصاب کو بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں ہمہ وقت زیر نظر رکھنا ہو گا۔ اس مشینی دور Nodules کا تصور

راہ پا گیا ہے، یعنی اس طرح کے مرکب اجزا جو مختلف مشینوں میں لگا جا سکتے ہوں۔اس سے محنت اور پیسہ اور وقت بچتے ہیں۔ہمارا دینی تعلیمی نصاب اگر اس تصور کو قبول کرلے تو دوسرے مرّوجہ نصابوں کے ساتھ تال میل میں آسانی ہو جائے اور دینی تعلیم کے سند یافتہ بآسانی مروجہّ انگریزی تعلیم کے نظام میں کھپ سکیں۔

مقصود اس دراز نفسی سے صرف یہ تھا کہ دینی تعلیم کے فیض کو عام کیا جائے،تاکہ اس دو نیم ملت کی وحدت بحال ہو سکے اور محدود ذرائع بہترین اور نتائج خیز ترین ڈھنگ سے استعمال ہو سکیں۔ تحقیق کے ایک اور آلہ کا ذکر کر دوں۔یہ ہے سروے یا پایان کے قریب عملی جائزہ۔ ہمہ شماری سینس 'کائنات' کا احاطہ کرتا ہے۔اس کا عمل دیر طلب، زر طلب اور دشوار ہوتا ہے۔ سیمپل سروے میں ایک نمائندہ نمونہ لے کر اس سے 'کائنات' کے بارے میں نتائج نکالے جاتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ضلع ضلع میں اس قسم کے عملی جائزے لیں، جن سے یہ معلوم ہو کہ مسلمان بچے کس تناسب سے دینی تعلیم سے بہرہ پا رہے ہیں؟اس کے بعد نقشے بنائے جائیں، جغرافیائی نقشے،اور ان کو پیش نظر رکھ کر آئندہ کی کاروائی کے منصوبے تیار ہوں۔ منصوبوں کے لحاظ سے نقشوں میں کوئی جگہ ایسی نہ رہ جائے جہاں مسلمانوں کی معقول آبادی ہونے کے باوجود دینی تعلیم کا بندوبست نہ ہو۔ نقشہ کی خالی جگہوں کو کتنے وقت میں پُر کرنا ہے،اس کا انحصار آپ کے حوصلے پر ہوگا۔ حوصلہ اگر ہے تو وسائل کی کمی کبھی سدِّراہ نہیں ہوتی۔

پایانِ گفتگو میں اجازت دیجیے کہ میں اپنے معروضات کو دہراوں۔دینی تعلیم پر ہماری بقا پیشرفت اور عزتِ نفس کا انحصار ہے۔ ہمیں اس کے پیغام کو عام کرنا چاہیے اور اس کی کام

یابی اور توسیع کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا چاہیے۔ دینی تعلیم کے نصاب میں عبادات و عقائد کے علاوہ اطوار، اخلاق اور اقدار پر زور دیا جائے۔ دینی تعلیم جز وقتی اور مر اسلاتی فیوض کو بھی اپنے دامن مین سمیٹ لے۔ منصوبہ بندی کے آلات وادوات اور اس کی تکنیک کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ نشانوں تک پہنچنے اور غلطیوں اور کمیوں کو دور کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ تعلیم کے مختلف طریقوں نے ملت کو دو نیم کر دیا ہے۔ اس خلیج کو پاٹنے کی ضرورت ہے۔ تمام اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچوں کو جز وقتی تعلیم دینے کی اہمیت شایانِ التفات ہے۔ والدین اور معلمین کی تربیت کو دینی تعلیم کا اہم جزو سمجھنا چاہیے۔

نشانوں کا تعین منصوبوں کی تشکیل، پیش تر کا جائزہ، شرح ترقی کی رفتار یہ سب امور توجہ کے جویا ہیں۔ مزید ترقی اور توسیع میں یہ اندازِ کار شاید معاون ہو۔

ہم ان صاحب دلوں اور ان کار گزار درد مندوں کو خراج تشکر اور نذرانۂ عقیدت ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس تحریک کو شروع کیا، چلایا اور آگے بڑھایا۔ ہمیں اس کا احساس ہے کہ جو مہم ہمیں سر کرنی ہے، جو قلم رو ہمیں تسخیر کرنی ہے، ابھی ہم اس کے حاشیہ پر ہیں۔ جتنا کام ہوا ہے اس سے ہزار گنا کام ابھی کرنے کو ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، ہم میں سے ہر مرد و زن کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں، اپنے فرض کو ادا کریں۔ شکم پری تو چوپائے بھی کر لیتے ہیں۔ ہمیں اس حالت سے اوپر اٹھنا ہے۔ دوسروں کے درد کو اپنے دل میں جگہ دینا ہے، ہمیں ہدایت اور روشنی کی شعاعوں جذب کرنا ہے اور گرد و پیش کو ان سے مستنیر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم نصرت طلب ہیں، وہ منظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہے:

إِذَا جَآءَ نَصۡرُ ٱللَّهِ وَٱلۡفَتۡحُ ۝ وَرَأَيۡتَ ٱلنَّاسَ
يَدۡخُلُونَ فِي دِينِ ٱللَّهِ أَفۡوَاجٗا ۝ فَسَبِّحۡ
بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَٱسۡتَغۡفِرۡهُۚ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابَۢا ۝

خطبۂ صدارت

ریاستی دینی تعلیمی کانفرنس

منعقدہ بہرائچ

۱۷، ۱۸، اپریل ۱۹۸۲ء

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صدر دینی تعلیمی کونسل و آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

خطبۂ صدارت

حمد وصلوٰۃ کے بعد!

حضرات! اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت، جو زندگی کے پہیے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے، جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی ہے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رخ موڑ دیتی ہے، سلطنتوں کے چراغ گل کر دیتی ہے، ایسے واقعات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے۔ اس فیصلہ نے بارہا افراد کی، اور خاندانوں کی نہیں، قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کرے اور باآبرو زندگی گزارنے کی مہلت لے لے، یا اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفرانِ نعمت اور ظلم وفساد کا مظاہرہ کر کے زندگی کے حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرالے۔ اسی کا نام ہے تقدیر کا بدل جانا: إِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّیٰ یُغَیِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے اور ناشکری کر کے نعمتِ خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کرالے۔

انسانی فیصلہ کی طاقت

انسانی فیصلہ کی طاقت اور کرامت کی ایسی مثالیں ہیں جن کا باور کرنا مشکل ہے۔اس کی ایک شہادت آپ کا شہر[3] پیش کرتا ہے کہ خدا کا ایک بندہ[4] غزنی، افغانستان سے رفقاء کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اس ملک میں، جو ایک تحتی برا عظم ہے، داخل ہوتا ہے، وہ توحید کا پیغام پہنچانے اور انسانوں کو انسانیت کا سبق سکھانے کے لیے سر ہتھیلی پر رکھ کر آئے۔ عقل کا فیصلہ صریحاً اس کے خلاف تھا۔ کوئی آدمی صحیح الحواس ہونے کے ساتھ اس کی ہمت نہیں کر سکتا تھا کہ اتنے لمبے چوڑے ملک میں ساتھیوں کی اتنی تھوڑی تعداد کے ساتھ قدم رکھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سفر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کی یہ آسانیاں نہیں تھیں، لیکن وہ اس دور دراز مقام سے منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا، راستہ میں اپنے سفر کی نشانیاں چھوڑتا ہوا اس خطہ میں آکر اپنے کام کو ختم کر دیتا ہے، یا اس سے اس کا کام ختم کرا دیا جاتا ہے۔ آج وہ یہاں آسودۂ خاک ہے۔ ایک فرد کے فیصلہ کی طاقت کا یہ ایسا روشن ثبوت ہے جس کی مثال دور دور نہیں ملتی۔

اس دنیا میں انسان نے جو کچھ کیا ہے، اپنے فیصلہ سے کیا ہے۔ آسان سے آسان کام بھی بغیر ارادہ اور فیصلہ کے انجام نہیں پاتا۔ روٹی کا لقمہ، جو آپ توڑ کر اپنے منھ میں ڈالتے ہیں، یہ بھی آپ کے فیصلہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کاشت کار کی محنتوں کو چھوڑیے کہ وہ گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں اور کڑاکے کی سردی میں بستر سے اٹھ کر اپنے کھیت پر پہنچ جاتا ہے، دوپہر۔۔۔ کو توے کی طرح دہکتی زمین پر کس طرح اپنا کام انجام دیتا ہے؟ اُس کی اس جاں

---

[3] بہرائچ

[4] حضرت سید سالار مسعود غازیؒ

فشانی کے نتیجہ میں روٹی کا جو ٹکڑا آپ کے ہاتھ میں آتا ہے، وہ بھی آپ کے مونہہ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک آپ یہ فیصلہ نہ کرلیں کہ آپ کو کھانا ہے۔ اگر آپ سوچتے ہی رہیں کہ میں اپنے مونہہ تک روٹی کا ٹکڑا لے جاؤں یا نہ لے جاؤں تو دن گزر جائے گا اور رات بیت جائے گی، لیکن وہ لقمہ ہاتھ کا ہاتھ ہی میں رہے گا۔ اگر آپ روزے سے ہیں اور آپ نے روزہ کھولنے کا فیصلہ نہیں کیا، جس کے لیے آپ سارے دن گھڑی کے منٹ اور سکنڈ گنتے رہے تو دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو آپ کو افطار کرا سکے۔ یہی افراد کا معاملہ ہے۔ یہی قوموں کا معاملہ ہے۔

جو قوم خود فیصلہ نہیں کر سکتی، دنیا کی ساری تدبیریں، حکمت و سائنس، بلکہ طاقت ور سلطنتیں بھی ان قوموں کی مدد نہیں کر سکتیں، جنھوں نے اپنے ضمیر کے ساتھ، اپنے عقیدے اور ایمان کے ساتھ، ان اصولوں کے ساتھ جو ان کو جان سے زیادہ عزیز تھے، دنیا میں باقی رہنے کا فیصلہ نہیں کیا۔ ان کا نام حرفِ غلط کی طرح لوحِ جہاں سے مٹا دیا گیا۔ دنیا جس کو تاریخ کہتی ہے، یہ سلطنتوں کی تاریخ نہیں ہے، تہذیبوں کی تاریخ نہیں ہے، علم و دانش کے فروغ و ترقی کی تاریخ نہیں ہے، ذہانتوں کی تاریخ نہیں ہے، ایک جملہ میں یہ انسانی فیصلوں کی تاریخ ہے۔ فیصلوں نے سلطنتیں قائم کی ہیں اور مٹا دی ہیں۔ فیصلوں نے تہذیبیں پیدا کی ہیں اور تہذیبوں کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ فیصلوں نے قوموں کو دنیا کے ایک سرے سے اٹھا کر دنیا کے دوسرے سرے پر پہنچا دیا ہے۔ اور عزم و فیصلہ کی غیر موجودگی نے جیتی، جاگتی، دوڑتی، بھاگتی، زندہ اور توانا قوم کو بے جان مجسموں کی طرح باقی رکھا اور مُردوں کی طرح دفن کر دیا۔

دینی تعلیمی کونسل

جب کبھی ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنی و فکری و تعلیمی تاریخ، بلکہ ان کی ملّی تاریخ دیانت داری کے ساتھ لکھی جائے گی تو اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا کہ اس ۲۰، ۲۵ سال کی مدت میں دینی تعلیمی کونسل نے کیا فکر دیا؟ کیا لٹریچر پیدا کیا؟ کس طرح ہندوستانی مسلمانوں کے دینی تعلیمی مقدمہ کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا؟ آپ صرف اس کی سالانہ کانفرنسوں کے خطبہ ہائے صدارت کی ورق گردانی کر لیجیے، ابھی جو دو پُر مغز اور فکر انگیز مقالے پڑھے گئے ہیں: ایک محترم سید حامد صاحب (وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) کا خطبۂ افتتاحیہ، دوسرا ریاض الدین صاحب جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل کی سالانہ رپورٹ، وہی مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ کو سمجھنے اور اس کی سنگینی اور نزاکت کا احساس کرنے کے لیے کافی ہیں، لیکن اس مقدمہ کے اندر بھی جان آپ کے فیصلہ سے آئے گی۔ انسان کی ساری کم زوریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر عزم و فیصلے کی وہ طاقت رکھی ہے کہ پہاڑ اور دریا اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ یہ طارق بن زیاد کا فیصلہ تھا، جس نے اندلس (اسپین) میں آٹھ سو برسوں تک نہ صرف اسلامی سلطنت کو قائم رکھا، بلکہ اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم و فنون کے دریا بہا دیئے اور یوروپ تک اس کا فیض پہنچا۔ یہ محمد بن قاسم کا ایک فیصلہ تھا کہ وہ سندھ میں آیا اور اس نے نہ صرف فتوحات اور کام یابی حاصل کی، بلکہ قبولیت و محبوبیت کا مقام حاصل کر لیا۔ ہمیں عرب مورخ بتاتے ہیں کہ عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے جب اُس کو اِس مہم پر مامور کیا تو فوج کی رسد کے لیے نسخہ بتایا کہ روٹیوں کو سرکہ میں تر کر کے خشک کر لو اور ان روٹیوں کا گٹھر اپنے ساتھ باندھ کر لے جاؤ۔ جہاں کھانے کو کچھ نہ ملے ان روٹیوں کو پانی میں ڈال دینا، ان میں سرکہ کا مزہ پیدا ہو جائے گا اور سالن کی

ضرورت نہ ہوگی۔ دنیا میں اس طرح بھی کامیابیاں اور فتوحات حاصل ہوئی ہیں کہ لشکر کے ساتھ نہ رسد ہے نہ کمک، نہ رہبر ہے نہ سواریوں کا انتظام، یہ سب فیصلۂ انسانی کی کارفرمائی اور عزمِ محکم کی مسیحائی ہے۔ بقول شاعر

اولوالعزمانِ دانش مند جب کرنے پہ آتے ہیں

سمندر پاٹتے ہیں، کوہ سے دیا بہاتے ہیں

بڑے کاموں کے لیے فرہاد کا جگر اور قیس کا جنوں چاہیے۔ خدا جانے، انسانی نسل میں کتنے قیس و فرہاد گزرے ہیں۔ جہاں پانی کا قطرہ نہیں تھا، وہاں انہوں نے دریا بہادیئے۔ جہاں ایک پتا نہیں تھا، وہاں انھوں نے گلستاں پیدا کردیئے۔

عزم محکم ہے نشانِ قیس و شانِ کوہ کن

عشق نے آباد کرڈالے ہیں دست و کوہ سار

میرے دوستو اور بھائیو!

آپ نے ابھی فیصلہ ہی نہیں کیا ہے کہ آپ کو اس ملک میں ہر حال میں مسلمان بن کر رہنا ہے۔ آپ ایسی زندگی سے بیزار ہیں، جس میں سب کچھ ہو، لیکن عقیدہ اور ایمان کا تحفظ نہ ہو۔ آپ نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ آپ ان پالتو اور ناز پروردہ جانوروں اور پرندوں کی طرح زندگی نہیں گزاریں گے جن کو راتب کا ملنا کافی ہے۔ ہم محض 'راتب' پر اس ملک میں نہیں، کسی عرب یا خالص مسلمان ملک کی سرزمین پر بھی رہنے پر تیار نہیں، جہاں 'راتب' کے سوا ہم کو باعزت آزادی اور اپنے ضمیر و عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کی دولت میسر نہیں ۔ سارا شکوہ اور سارا گلہ اسی بات کا ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں نے اچھی طرح سے سوچ سمجھ

کر یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ہم ہر چیز کی قربانی کے لیے تیار ہیں، ایمان اور عقیدہ کی قربانی کے لیے تیار نہیں، اس آدھی رات کو جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں،[5] اور جس میں جھوٹ بولنے والا بھی جھوٹ بولنے سے ڈرتا اور پناہ مانگتا ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس دن آپ کو ایمان سب سے بڑھ کر عزیز ہو جائے، ایمان کے بغیر بچوں کا جینا بھی آپ کو مطلوب نہیں، اسی وقت سے حالات میں تبدیلی آجائے گی اور مشکلات کے پہاڑ (اگر وہ مشکلات خیالی نہیں، بلکہ واقعی ہیں) اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔

تاریخ اسلام میں مرد تو مرد، ماؤں نے بھی اس ایمانی طاقت اور عزم و فیصلے کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے اپنے لڑکوں کو اپنے ہاتھ سے کفن پہنا کر میدانِ کارزار کے لیے رخصت کیا اور کہا کہ بیٹا پیٹھ پھر کر اور میدانِ کارزار سے بھاگ کر ہم کو مونہہ نہ دکھانا۔ یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب حق و انصاف کے لیے میدانِ کارزار میں جانا پڑتا تھا۔ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر وہ خواب میں دیکھ لے کہ اس کا بچہ ایمان سے محروم ہو کر دنیا میں چل پھر رہا ہے، کما کھا رہا ہے تو سوتے سوتے اس کی چیخ نکل جائے۔ لوگ پوچھیں کہ کیا بات ہے؟ خیریت ہے؟ تو وہ کہے: میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میرا بچہ وقت کا بہت بڑا سرمایہ دار، عہدہ دار بن گیا، لیکن ایمان سے محروم ہے۔ دین کی دولت ایسی نہیں کہ انگلی ہلائے بغیر مل جائے۔ خدا کے پیغمبروں نے بھی، جن سے بڑھ کر فیاض اور انسانیت کا درد مند کوئی ہو نہیں سکتا، ان لوگوں سے کہہ دیا جو ایمان کی نعمت سے استغناء برت رہے تھے اور زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں: اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (ترجمہ: کیا ہم ایمان کی دولت

---

[5] (حضور ﷺ کا ارشاد گرامی (حدیث)۔ تقریر کے وقت آدھی رات ہو چکی تھی)

زبردستی تمہارے گلے لگائیں اور سر منڈھ دیں، چاہے تم کو اس کی قدر نہ ہو اور تم کہتے رہو کہ نہیں نہیں)(القرآن سورۃ ہود، آیت ۲۸) یہ خدا کے اُن پیغمبروں کے متعلق آتا ہے جن کے ایک فرد فرید (ﷺ) کے متعلق کہا گیا ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (ترجمہ: کیا آپ ان ناقدروں کے پیچھے کہ ایمان نہیں لاتے ،اپنی جان دے دیں گے۔)(القرآن سورۃ الشعراء، آیت نمبر ۳)

صاحبو! میں دس باتیں حکومت سے شکایت کی کر سکتا ہوں۔ مجھے خدا کے فضل سے دنیا کی کسی حکومت سے سچی بات کہنے میں کوئی باک نہیں۔ اس لیے کہ مجھے کسی حکومت سے لینا دینا نہیں۔ لیکن میں غلط سمجھتا ہوں کہ ساری ذمہ داری حکومت کے سر ڈال دوں۔ یہ میرے ضمیر، میرے علم و مطالعہ اور دیانت داری کے خلاف ہے۔ جب مجھے حکومت ہی سے کہنا ہوگا تو مجھے وہ زبان آتی ہے اور میں اپنے اندر وہ جرأت پاتا ہوں کہ اس سے کہوں، لیکن جب آپ سامنے ہوں گے تو میں آپ کا گریبان پکڑوں گا۔ آپ نے اجتماعی طور پر اور ملّی سطح سے صفائی سے ابھی تک یہ بات نہیں کہی ہے کہ ایمان و عقیدہ کے تحفظ کے بغیر اور اس اطمینان کے بغیر کہ ہماری آئندہ نسل بھی مسلمان رہے گی، ہم ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہنا چاہتے اور یہ تحفظ اور انتظام ہمارے لیے پانی اور بجلی کی سپلائی ،راشن کی دکانوں ، حفظانِ صحت اور علاج کی سہولتوں اور جان و مال کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے، کہ ان کا تعلق صرف جسمانی زندگی اور تحفظ سے ہے اور عقیدہ و ایمان کی بقا اور ان کی تعلیم و تلقین کی سہولتوں کا تعلق ایمانی زندگی اور روح سے ہے، جس کا اثر ابد الآباد تک باقی رہے گا۔ ہم نے ابھی تک اس حقیقت کو نہیں سمجھا کہ خدا کے یہاں وہ زندگی زندگی نہیں کہلاتی اور وہ مسلمان مسلمان کہلانے کا مستحق

نہیں جو ایمان سے محروم ہوا ور اس کا رشتہ ملتِ ابراہیمیؑ، تعلیماتِ محمدیؐ اور صحیفۂ آسمانی (قرآن) سے مربوط نہ ہو۔ قرآن ایسے انسانوں کو: إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (ترجمہ: وہ جو پایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ القرآن، سورۃ الفرقان، آیت نمبر ۴۴) کہیں کہتا ہے: ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا (ترجمہ: ان کو چوپایوں کی طرح کھانے پینے دو۔) (القرآن، سورۃ الحجر، آیت نمبر ۳)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ القرآن، سورۃ التحریم، آیت نمبر ۶) جو زندگی ایمان سے محرومی، خدا کی نافرمانی، خدا کے خلاف سرکشی اور خدا کے پیغمبروں کی تعلیمات سے سرتابی کے ساتھ گزرتی ہے، وہ حقیقت میں ایک طویل تدریجی خودکشی ہے اور اگر اس کا تعلق آئندہ نسل سے ہے تو وہ ایمانی اعتبار سے ایک وسیع نسل کشی (Genocide) ہے۔

میں آپ کے دلوں پر دستک دے رہا ہوں، بلکہ آپ کے دل میں چٹکی لے رہا ہوں۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے فیصلہ کیا یا نہیں؟ کیا آپ کے اور آپ کے فیصلہ کے درمیان دینی تعلیم کے تحفظ اور اس کے انتظام کے درمیان اس سے زیادہ فاصلہ ہے جو بہرائچ اور غزنی کے درمیان تھا اور جس کو غزنی کے ایک مرد مجاہد نے ایک جست میں طے کر لیا تھا۔ وہ بڑے عالی خاندان تھے۔ وہ کیا چیز تھی جو ان کو اپنے ملک میں نہیں ملتی تھی؟ وہ اجر وثواب حاصل کرنے اور خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے اتنا بڑا فاصلہ طے کر کے آئے، ایک ہم اور آپ ہیں کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے انتظام کے سلسلہ میں تھوڑا سا خطرہ بھی مول نہیں

لے سکتے ہیں۔ میں جنرل سکریٹری صاحب کی رپورٹ سن رہا تھااور شرم کے مارے پانی پانی ہوا جارہا تھا کہ بچوں کے والدین کہتے ہیں کہ آپ ہمارے لڑکوں کا کیریر خراب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اردو پڑھیں گے تو اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جائیں گے۔ دینی تعلیم میں وقت صرف کریں گے تو مقابلہ کے امتحانوں میں ان لوگوں سے پیچھے رہ جائیں گے جنھوں نے ہندی کے ذریعہ تعلیم حاصل کی ہے،اور مذہبی تعلیم پر وقت صرف نہیں کیا ہے۔ یہ اندیشہ ہائے دور دراز محض ذہن کی خلاقی ہیں۔ اس کی نوبت بھی آئے گی کہ نہیں؟ آپ جانتے ہیں، اگر خدانے کسی بچہ کو ذہانت اور محنت کا جوہر اور مادہ دیا ہے تو کیسی اردو اور کہاں کی ہندی؟ زبانوں کا فرق باقی نہیں رہتا، لیکن یہ سوچ کر کہ ہو سکتا ہے کہ اس کو ۲۰ کے بجائے ۱۹ نمبر ملیں والدین کی تیوری چڑھ جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ صاحب، یہ ہمارے بچے کے گلے پر چھری پھیرنا ہے۔ یہ ہے ہمارے یہاں ایمان کی طاقت۔

۱۹۷۷ء میں ٹورنٹو (Toronto) کناڈا میں ایک تعلیم یافتہ مجمع کے سامنے، جس میں ہندوستانی، پاکستانی اور عرب سب تھے، میری تقریر تھی۔ میں نے کہا کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ کو کسی دن یہ شبہہ ہو جائے کہ آپ کی آئندہ نسل (آپ نہیں، آپ نوجوان یا ادھیڑ عمر کے ہیں اور جو کچھ آپ کو تعلیم حاصل کرنی تھی، حاصل کر چکے ہیں) دین پر قائم نہیں رہ سکے گی، اس لیے کہ یہاں اس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں اور ماحول اسلام دشمن اور ایمان کش ہے تو آپ کے لیے یہاں رہنا حرام ہے، آپ قافلہ بنا کر اگر پیدل چلنا ہو تو پیدل یہاں سے رخت سفر باندھ لیجئے، لوگ مرتے جائیں اور آپ ان کو راستہ میں دفن کرتے جائیں، یہاں تک کہ یہاں سے چلے تھے تو ہزاروں کی تعداد میں تھے، اپنے ملک میں پہنچے تو

درجنوں کی تعداد میں رہ گئے۔ یہ ادا خدا کو پسند آئے گی اور آپ آخرت کے مؤاخذہ سے بچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ (ترجمہ: جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے! فرشتے کہتے ہیں: کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ رستہ جانتے ہیں، قریب ہے کہ خدا ایسوں کو معاف کر دے اور خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔) (القرآن سورۃ نساء، آیات نمبر ۹۷-۹۹)

اگر آپ اس کی تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جن لوگوں نے كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ (ہم اپنے ملک میں عاجز و ناتواں تھے) کہا تھا، آپ ان سے یقیناً زیادہ آزادی اور قدرت رکھتے ہیں۔ میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہم ہندوستانی مسلمان اتنے لاچار اور مجبور اور دست و پابستہ ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو اپنے عقیدہ و ایمان اور اپنی تہذیبی خصوصیات کے مطابق مسلمان باقی رہنے کا سامان نہیں کر سکتے۔ سید حامد صاحب نے بجا طور پر کہا کہ مسلمان اس ملک میں دوسری بڑی اکثریت ہیں۔ وہ آئینی طریقہ پر اپنا یہ حق تسلیم کروا سکتے ہیں کہ وہ

اس ملک میں اپنے دینی و اعتقادی امتیاز اور ملی تشخص کے ساتھ رہیں گے۔اس ملک میں دستور بھی اس کی ضمانت دیتا ہے۔ پھر مسلمانوں کو بطور خود اس کا انتظام کرنے، گھروں میں صحیح دینی تعلیم دینے اور دینی تعلیم اور اردو زبان سکھانے کے لیے مکاتب و مدارس قائم کرنے، مساجد میں اور خارجی اوقات میں دینی تعلیم دلانے سے کوئی نہیں روکتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ اس ملک میں اس واضح (اقلیتی) اکثریت اور سیاسی وزن کے ساتھ رہے اور آپ نے اپنے بچوں کے ایمان کے بچانے کا انتظام نہ کیا تو ڈر ہے کہ مرتے وقت ہم سے کہا جائے: فِيْمَ كُنْتُمْ (تم کس حال میں تھے؟ کس حال میں تم آرہے ہو؟) اگر ہم سے نہیں تو ہماری اولاد سے سوال ہوگا اور آپ جانتے ہیں کہ ان کا جواب ہوگا؟ قرآن مجید میں وہ جواب بھی منقول ہے:

وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۠ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا۠ (ترجمہ: وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہم کو رستہ سے گم راہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔) (القرآن سورۃ احزاب آیات نمبر ٦٧-٦٨)

آخر میں پھر کہتا ہوں کہ سارا انحصار آپ کے فیصلہ پر ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کب یہ فیصلہ کرتے ہیں؟ اور ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے پورے عزم و ارادے سے، ہوش و حواس کی سلامتی اور ایک شریف و باعزت، بااصول و باضمیر ملت کے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے۔اسی فیصلہ پر ہمارے حال اور مستقبل کا انحصار ہے اور یہی ملی مسائل کا اصل حل ہے اور دین کا مطالبہ۔

بیادگار حضرت مولانا محمد احسان الحق قدس سرہ العزیز

متہم اوّل جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ

الاحسان اکیڈمی، بہرائچ

الاحسان اکیڈمی، بہرائچ ایک تحقیقی و تصنیفی ادارہ ہے۔ جس کے اغراض و مقاصد یہ ہیں۔

۱۔ نسل کو اکابر و شخصیات بہرائچ سے متعارف کرانا۔

۲۔ شخصیات بہرائچ کی سوانح حیات پر علمی و تحقیقی کام انجام دینا۔

۳۔اہم علمی نوادرات، مختلف موضوعات پر اکابر (خصوصاًاکابرین بہرائچ) کے ذریعے لکھی گئی قدیم کتب کی جدید اشاعت کرنا۔

۴۔اکابر کی اہم علمی و تحقیقی کتابوں کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرانا۔

نوٹ

اکیڈمی اپنی خدمات، اور سرگرمیاں انٹرنیٹ کی وساطت سے متعارف کرانے کا بھی نظم کرے گی۔



ISBN 978-93-5437-494-4

